مارچ ۱۹۸۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

[illegible] ڈاکٹر اسرار احمد

- جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ
- مہاجر قومی تحریک کا پس منظر
- [illegible]سلام اور سیکولرزم : ایک جائزہ

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

رسولِ کامل
پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ
سیرت النبی کے موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد
کی بارہ تقاریر
ویڈیو کیسٹ
اب مارکیٹ میں دستیاب ہے
PRESENTATION:
TELECINE
NET WORK (Private) LIMITED
FILM & VIDEO DISTRIBUTION DIVISION
39G (GROUND FLOOR) PANORAMA CENTRE
THE MALL LAHORE - 3 (PAKISTAN)
TEL : 303094 - 306346
TELEX 44141 TRADE PK
SRC
A GOVT. OF PAKISTAN ENTERPRISE
Recorded By:
Shalimar Recording Company Limited

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تُم نے اقرار کیا کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی

جلد	۳۷
شمارہ	۳
رجب المرجب	۱۴۰۸ھ
مارچ	۱۹۸۸ء
فی شمارہ	-/۵
سالانہ زرتعاون	-/۵۰

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مینجنگ ایڈیٹر

اِقتدار احمد

اِدارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات۔	۲۵ سعودی ریال یا -/۱۱۵ روپے پاکستانی
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا۔	۶۔امریکی ڈالر یا -/۱۰۰ روپے پاکستانی
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔	۹۔امریکی ڈالر یا -/۱۵۰ 〃 〃
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۱۲۔امریکی ڈالر یا -/۲۰۰ 〃 〃

ترسیل زر: ماہنامہ میثاق لاہور یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور-۱۴ (پاکستان) لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور-۱۴ فون: ۸۵۲۶۸۳، ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلیشرز: لُطف الرحمٰن خان مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح لاہور

مشمولات

● عرضِ احوال ——— ۷
اقتدار احمد

● مہاجر قومی تحریک کا پس منظر ——— ۱۳
ایک فکر انگیز تجزیہ
ڈاکٹر اسرار احمد

● جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ ——— ۲۳
ڈاکٹر اسرار احمد

● مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج ——— ۳۹
بانی تبلیغی جماعت مولانا الیاسؒ کا نقطۂ نظر
مولانا احتشام الحسن کاندھلوی

● الہدیٰ (نشست ۵۲) ——— ۶۱
اسلام کا معاشرتی نظام (۳)
ڈاکٹر اسرار احمد

● اسلام اور سیکولرزم ——— ۷۱
ڈاکٹر ابصار احمد

● نقطۂ نظر ——— ۸۳
ٹی وی اور ویڈیو کیسٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کا موقف
مولانا ظفیر الدین

جملہ رفقاء و احبابِ تنظیم مطلع رہیں کہ ان شاء اللہ العزیز

تنظیمِ اسلامی کا تیرھواں سالانہ اجتماع

جمعۃ المبارک یکم اپریل تا سوموار ۴ اپریل ۱۹۸۸ء

بمقام طارق آباد، ضلع بہاولنگر

رفیق مکرم کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر حافظ غلام حیدر خان ترین

کی زرعی اراضی پر منعقد ہو گا

یہ مقام بہاول نگر اور چشتیاں کے تقریباً درمیان میں بہاولنگر سے تیرہ اور چشتیاں سے چودہ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اسے سڑک بھی لگتی ہے اور ریلوے لائن بھی۔ ریلوے سٹیشن کا نام 'مدرسہ' ہے جو سمہ سٹہ سے بہاولنگر اور امروکا جانے والی برانچ لائن پر واقع ہے۔ سڑک کے ذریعے اس مقام کا فاصلہ لاہور سے براستہ ساہیوال، عارف والا، بہاولنگر تقریباً پونے دوسو میل، ملتان سے براستہ وہاڑی، چشتیاں تقریباً ایک سو تیس میل اور بہاولپور سے براستہ حاصل پور، چشتیاں تقریباً سو میل ہے۔

اجتماع کا پروگرام جمعہ یکم اپریل کو بارہ بجے خطاب جمعہ سے شروع ہو گا
اور سوموار ۴ اپریل کو قبل ظہر اختتام پذیر ہو گا

(تفصیلی ہدایات پشت پر ملاحظہ فرمائیں)

ہدایات برائے رفقاء تنظیمِ اسلامی

سالانہ اجتماعات جماعتی زندگی میں بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں رفتارِ کار کے جائزہ اور اپنے رُخ پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے علاوہ رفقاء کے مابین تعارف اور محبّت ویگانگت پیدا کرنے کے بہترین مواقع ہوتے ہیں۔ تنظیمِ اسلامی کے مقاصد سے محبّت اور حصولِ مقاصد کی تڑپ کا تقاضا یہ ہے کہ تمام رفقائے تنظیم اس اجتماع میں اپنی ہمہ وقت شرکت کو لازم سمجھیں البتہ اگر کوئی رفیق کسی شدید مجبوری کی بناء پر شرکت سے معذور ہو تو اسے تفصیلی معذرت ارسال کرنی چاہیئے۔

○ ...... پہلی باقاعدہ نشست اگرچہ یکم اپریل جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب شروع ہوگی تاہم رفقاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ صبح دس بجے اجتماع گاہ میں پہنچ جائیں۔ نماز جمعہ سے قبل جناب امیرِ تنظیمِ اسلامی کا خصوصی خطاب عام ہو گا۔

○ ...... اجتماع کے دوران تمام رفقاء اجتماع گاہ ہی میں قیام پذیر رہیں گے اس کے لئے حتّی الوسع ضروری انتظامات کئے جائیں گے تاہم موسم کے مطابق بستر اور ذاتی استعمال کی ضروری اشیاء رفقاء ساتھ لے کر آئیں۔ اجتماع کی کامیابی کا انحصار رفقاء کی وسیع القلبی اور باہم تعاون پر ہے۔ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ شرکاء کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولت فراہم کی جائے' تاہم انہیں ایثار و قربانی کے لئے تیار ہو کر آنا چاہیئے......

○ ...... سالانہ اجتماع کی آخری نشست ۴ر اپریل بروز سوموار قبل از نماز ظہر اختتام پذیر ہوگی

رفقاء واحباب کی رہنمائی اور سہولت کے لئے بہاولپور ریلوے اسٹیشن پر ۳۱ر مارچ دوپہر سے یکم اپریل صبح ۸ بجے تک تنظیم کی جانب سے استقبالیہ کیمپ لگا ہو گا۔ اسی طرح مدرسہ ریلوے اسٹیشن اور طارق آباد کے بالمقابل برلب سڑک یکم اپریل ۱۲ بجے تک رہنمائی کا انتظام ہو گا۔ دفتر تنظیم اسلامی حلقہ جنوبی پنجاب' ۲۵۔ آفیسرز کالونی 'ملتان میں بھی رفقاء کی رہنمائی اور اجتماعی روانگی کا پروگرام ہو گا۔

اسی طرح مرکزی دفتر تنظیم اسلامی ۶۷۔ اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور سے رفقاء کی اجتماعی روانگی کا پروگرام ۳۱ر مارچ رات کو ہو گا۔

اس قافلہ میں انہی حضرات کی شرکت کا انتظام ہو سکے گا جو ۲۰ر مارچ تک اخراجات آمد و رفت (-/۷۵) دفتر میں جمع کرا دیں گے اور ۳۱ مارچ کو رات نو بجے سے قبل مرکزی دفتر پہنچ جائیں گے۔

منجانب .... چودھری غلام محمد

قیم تنظیم اسلامی

ان شاء اللہ العزیز ———— اس سال

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے زیرِ اہتمام

سالانہ

محاضراتِ قرآنی

جمعۃ المبارک ۲۵ مارچ تا سوموار ۲۸ مارچ ۸۸ء

جناح ہال

میں حسبِ سابق روزانہ بعد نماز مغرب منعقد ہوں گے جن کا مجموعی عنوان :

اسلام کا نظامِ حیات

ہوگا چنانچہ ایک ایک نشست اسلام کے معاشرتی، معاشی، سیاسی اور روحانی
نظام کے مختلف پہلوؤں پر مقالات اور تقاریر کیلئے مخصوص ہوگی

ع "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے !"

رفقاء و احباب نوٹ فرمالیں کہ

اِس سال جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن لاہور میں
ماہ رمضان المبارک کے دوران

دَورۂ ترجمۂ قرآن حکیم

کے رُوح پرور پروگرام میں

امیر تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد

نمازِ تراویح کے ساتھ ترجمۂ قرآن بیان فرمائیں گے

اِن شاء اللہ

لذّتِ ایں بادہ نہ دانی، بخدا تا نہ چشی!

نوٹ: جو حضرات اِس پروگرام سے بھرپور استفادے کی غرض سے پورا ماہ قرآن اکیڈمی میں قیام کرنا چاہیں وہ اپنے نام اور مختصر کوائف ابھی سے قرآن اکیڈمی کے ناظم عمومی کے پاس درج کروا کر اپنے قیام کے لیے جگہ محفوظ کروالیں، اس لیے کہ قرآن اکیڈمی میں رہائش کے لیے گنجائش محدود ہے اور اس کے استحقاق کا فیصلہ "پہلے آیئے پہلے پایئے" ہی کی بنیاد پر ہوگا۔ جو حضرات دورانِ قیام اپنے طعام کے اخراجات ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں انہیں پہلے سے اس کی اطلاع دے کر خصوصی اجازت نامہ حاصل کرنا ہوگا۔

المعلن: قمر سعید قریشی، ناظمِ اعلیٰ، مرکزی انجمن خدام القرآن۔ لاہور

اقتدار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

پچھلے شمارے کے صفحہ ۶۷ پر ۵ تا ۱۱ اپریل ۱۹۷۶ء کے ہفت روزہ "طاہر" لاہور کے افتتاحیہ کا عکس بلا کسی تعارف و تبصرے کے شائع ہوا تھا۔ بعض قارئین شاید اس کے سیاق و سباق کی وضاحت کی ضرورت محسوس کر رہے ہوں' چنانچہ عرض ہے کہ یہ تاثر تو محولہ بالا تحریر کے طرزِ نگارش' اسلوبِ تخاطب اور نفسِ مضمون سے اخذ کر ہی لیا گیا ہوگا کہ لکھنے والے صاحب جماعت سے اگر بلاواسطہ متعلق نہ تھے تب بھی اس کے بہی خواہوں' حامیوں' ہمدردوں بلکہ مشیروں میں تو ضرور شامل رہے ہوں گے۔ تحریر کے الفاظ کا مضمون اور بین السطور مفہوم کچھ یوں ہے کہ اس وقت تک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور پے در پے تجربات اور خداداد شعور و بصیرت کی روشنی میں ان نتائج تک پہنچ چکے تھے کہ

۱ - "انتخابات اسلامی انقلاب کا واحد ذریعہ نہیں ہیں" ...... (ربع صدی کے دوران جماعت نے مختلف سطح کے انتخابات میں اپنے جزو ایمان اور عزیز از جان اصولوں کی قربانی دے کر بھی اسلام کے حق میں سمجھی جاسکنے والی کسی ادنیٰ تبدیلی کے جتنے کچھ آثار دیکھ لئے وہ کسی سے پوشیدہ نہ رہے تھے)

۲ - "جمہوریت میں اور بھی بہت سے ذرائع ہیں جن سے کام لیا جاسکتا ہے' اگر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہم خیال بنایا جائے' اس راستے میں آنے والی رکاوٹوں کی پرواہ نہ کی جائے' قید و بند کی صعوبتیں بھی درپیش ہوں تو راہ مستقیم نہ چھوڑی جائے۔ آبادی کے بڑے حصے میں زیادہ سے زیادہ لٹریچر پھیلایا جائے۔ جب آبادی کی کثیر تعداد ہم خیال ہو جائے گی' تو حکمرانوں پر دباؤ ڈالا جاسکے گا اور انہیں جھکنے پر مجبور کیا جاسکے گا" (یہی طریق کار جماعت اسلامی نے ابتدا میں اپنایا جو جمہوریت یا آمریت اور آزادی یا غلامی سے بھی مشروط نہ تھا)

اس تحریر کا ربط امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے اُسی شمارے میں شامل تذکرہ و تبصرہ

کے صفحہ ۲۷ پر مذکور اس قلبی واردات سے ہے جو ان پر مکہ مکرمہ میں اپنے دوست زبیر عمر صاحب کے مکان پر مولانا مودودی کی ایک تقریر کا ٹیپ سن کر گذری۔ امیر محترم کا کہنا ہے کہ آخری دنوں میں مولانا مرحوم کی سوچ تبدیل ہو گئی تھی اور یہ کہ "اب وہ پاکستان میں انتخابات کی راہ سے "اقامت دین" کا کوئی امکان نہیں سمجھتے بلکہ سابقہ انقلابی طرز عمل ہی کی جانب رجوع کرنا چاہتے ہیں"۔ اب آج کی جماعت اسلامی کے نزدیک 'جو نفاذ اسلام کے لئے انتخابی سیاست سے کنارہ کشی کو اقامتِ دین کی جدوجہد سے دست برداری سمجھتی ہے' امیر محترم کا یہ بیان چونکہ مولانا مرحوم پر ایک بہتان ہے 'تہمت ہے۔ لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی تھی کہ ایک مطبوعہ شہادت پیش کی جائے جو ہزاروں کی نظروں سے گزری ہو گی اور بہت سوں کے پاس اب بھی محفوظ ہے۔ جماعت کے لئے یہ تسلیم کرنا بڑا ہی مشکل ہے کہ اپنے قافلے کو تازہ اصطلاح کے مطابق تیسری دنیا کے ایک ترقی پذیر ملک کی بے اصول سیاست کی وادیٔ خار دار میں بھٹکتے دیکھ کر بالآخر قافلۂ سالار کا دل پسیج گیا تھا۔ وہ کیسے مان لے کہ انتخابی سیاست کے کوچے سے مولانا نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا جس کے طواف کا چسکا اس کے کارکنوں کو..... الا ماشاء اللہ..... نیچے سے اوپر تک پڑ چکا ہے ؏

چھٹتی نہیں ہے منہ کو یہ کافر لگی ہوئی

الحمد للہ کہ تنظیم اسلامی نے منہج انقلاب نبویؐ سے رہنمائی اخذ کر کے نہ صرف اپنے نظم و ضبط کی بنیاد قانونی اور دستوری جماعتوں کے طریقے پر رکھنے کی بجائے انقلابی تحریکوں کی طرز پر رکھی 'بلکہ طریق کار کو بھی اپنے فہم و ادراک کی حد تک سنت سے ماخوذ خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہفت روزہ "طاہر" میں شائع ہونے والے پیرے کو 'جسے ابتدا میں نقل کیا جا چکا ہے 'اگر ہم اپنی تنظیم کی اساسی فکر کے مطابق معمولی حک و اضافے کے ساتھ دوبارہ لکھیں تو عبارت یوں ہو گی۔

> "جمہوریت میں حصولِ مقصد کے لئے مؤثر انقلابی ذریعہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہم خیال بنایا جائے 'اپنے کارکنوں کی اخلاقی اور دینی تربیت اس درجہ پختہ کی جائے کہ وہ اس راستے میں آنے والی رکاوٹوں کی پرواہ نہ کریں 'قید و بند اور تشدد کی صعوبتیں بھی درپیش ہوں تو نظم کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے

رہیں اور راہ مستقیم نہ چھوڑیں۔ آبادی کے بڑے حصے میں دین کی اصل دعوت یعنی قرآن مجید کی تعلیم کو عام کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ دینی لٹریچر پھیلایا جائے۔ جب آبادی کا قابل لحاظ حصہ ہم خیال ہو جائے گا تو دین کے کسی ایک یا چند ایسے بنیادی اوامر و نواہی کے معاملے میں منظم مزاحمت کر کے حکمرانوں پر دباؤ ڈالا جا سکے گا جن پر علماء کے کسی بھی مسلک میں اختلاف نہ پایا جاتا ہو' تربیت کی کٹھالی میں سے کندن بن کر نکلے ہوئے کارکنوں کی قربانیاں مسلمانوں کی خاموش اکثریت کو بھی متحرک کر دیں گی اور یوں انہیں جھکنے پر مجبور کیا جا سکے گا"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

(حسنِ اتفاق سے ان ہی دنوں مولانا سید محمد میاںؒ (والدِ ماجد مولانا سید حامد میاں مدظلہ) کی تصنیف "تحریک شیخ الہندؒ" کی ورق گردانی کے دوران "امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک انقلاب کا طریقہ" کے عنوان سے ایک عبارت نظر سے گزری جس میں ہو بہو وہی نقشہ نظر آیا جو سطور بالا میں بیان ہوا ہے۔ قارئین 'میثاق' اور رفقائے تنظیم اسلامی کے استفادے کے لیے وہ عبارت ایک خوبصورت چوکھٹے کی صورت میں ان سطور کے متصلاً بعد شاملِ اشاعت کی جا رہی ہے۔)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

تنظیم اسلامی کے تیرھویں سالانہ اجتماع کا انعقاد اس بار بھی انہی دنوں میں ہو رہا ہے جو اب تک کا معمول رہا ہے' یعنی یکم تا چار اپریل۔ تاہم اجتماع کے مقام کو منتخب کرنے میں روائت سے خاصا ہی غیر معمولی انحراف کیا گیا ہے۔ بہاولنگر کے قریب ایک چھوٹی سی بستی میں جو ہمارے ایک بزرگ رفیق کا مقام و مسکن ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں ملکیتی خود کاشت رقبے اور مالی وسائل کے معاملے میں مناسب فراوانی سے نواز رکھا ہے' دین کے سپاہیوں کا گویا ایک الگ تھلگ پڑاؤ ہو گا۔ جس کے شرکاء اپنی عددی قوت' نظم و ضبط' گھن گرج اور "شوکت اسلام" [1] کے مظاہرے کے لئے بڑے شہروں کی رونق کے جویا نہیں بلکہ غور و فکر اور دروں

---

[1] جماعت اسلامی نے ایک زمانے میں "شوکتِ اسلام" کے نام سے ایک دن منا کر ملک بھر کے شہروں میں بزعمِ خویش پُرشکوہ جلوس نکالے تھے۔ جن کے اثرات اور ردعمل کا ذکر خاطر احباب پر ناگوار ہو گا۔

بنی کے لئے سابق ریاست بہاولپور کے صحرا میں واقع ایک دور دراز نخلستان کی تنہائی و خاموشی کے متلاشی ہوں گے۔ سال بھر کی محنتوں کے حاصل کا جائزہ لینے اور آئندہ کے لئے ہدف مقرر کرنے کے لئے یہ فضا انشاء اللہ بہت ساز گار ثابت ہو گی۔ ہمارے رفقاء تک اجتماع کی اطلاع اور شرکت کی ہدایت اب تک پہنچ چکی ہے اور توقع یہی ہے کہ ہر اس بستی میں جہاں نظم قائم ہے' اسی کا تذکرہ ہو گا اور منفرد رفقاء اپنی اپنی جگہ تیاری میں لگے ہوں گے' تاہم اس موقع پر ان صفحات کا اس سے بہتر کوئی مصرف نہیں کہ ساتھیوں کو یاد دلایا جائے کہ اجتماعیت کی اس اہم ترین علامت میں کیا کچھ مصلحت اور حکمت پوشیدہ ہے۔ مبادا کوئی ساتھی غیر اہم اور وقتی تقاضوں کے فریب میں گرفتار ہو کر اس کے فوائد کی نعمت سے محروم رہ جائے۔

ہمارے دین کے مزاج میں اجتماعیت اس خوبی سے رچی بسی ہوئی ہے جس کی نظیر کہیں سے ملنا ممکن نہیں۔ دن میں پانچ مرتبہ محلے کی مسجد میں شیر و شکر ہونا' ہر ہفتے بستی کے مرکزی مقامات پر جمع ہو جانا' سال میں دو مرتبہ عیدین کے بڑے اجتماعات اور پھر عالمی سطح پر اجتماعیت کا وہ عظیم مظہر جو ہر سال دنیا بھر سے دین کے نام لیواؤں کو ایک میدان میں کھینچ لاتا ہے۔ اور ان سب میں بلا استثناء قدرِ مشترک ایک ہی بنیادی مقصد اور ایک ہی ضمنی فائدہ ہے۔ مقصد کے اجزاء ہیں ذکر الٰہی' تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ نفوس' تو ضمنی فائدہ ہر سطح پر باہم میل جول' قربت میں اضافے' بُعد کی دوری' اجتماعی معاملات کے جائزے' ملت کو درپیش مسائل کے حل کی تلاش اور امت کے فرضِ منصبی یعنی اعلائے کلمتہ الحق میں حائل مشکلات کا مداوا ڈھونڈنے میں مضمر ہے...... پھر جن لوگوں کو اپنی فلاح و نجاتِ اخروی کی خالص ذاتی غرض سے اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی نصرت میں اپنا وقت' جان اور مال کھپانے کی توفیق میسّر آ گئی ہے' وہ تو گویا اپنے رب کے پسندیدہ بندے ہیں۔ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور حق تعالیٰ انہیں اپنی محبت کی نعمت سے نوازتے ہیں۔ انہیں تو ایسے مواقع کی کھوج میں رہنا چاہئے جن میں ان کے لئے اپنی انفرادی کوششوں کو اجتماعی جدوجہد کے ساتھ مربوط کرنا ممکن ہو۔ ویسے بھی۔

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے' تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں' اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

ایک ہی مقصد کو حرزِ جاں بنانے اور ایک ہی لگن کو دل میں بسانے والوں کو اپنے ساتھیوں میں

پہنچ کر جو یہ فرحت بخش احساس ہوتا ہے کہ۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

اس کی قدر و قیمت پر سو تفریحات قربان' اس کی منفعت سے ہزار کاروبار دنیوی ہیچ اور اس کے تقاضوں کے سامنے ساری معذرتیں عذراتِ لنگ۔ ہمارے ساتھی انشاءاللہ اجتماعیت کے اس بلاوے پر بطیب خاطر لبیک کہیں گے۔

جماعتوں اور تنظیموں کو ایسے ملک گیر اجتماعات کے مواقع روز روز نہیں ملتے۔ ان کے انتظام و انصرام پر انہیں اپنے محدود وسائل اور کارکنوں کی توانائیوں میں سے بھی وافر حصہ صرف کرنا پڑتا ہے جس کا حق تبھی ادا ہو سکتا ہے جب وابستگی کا دم بھرنے والے بھی لوگ اپنے آپ کو نارواں رعایت دیئے بغیر پوری یکسوئی سے اس بات کا جائزہ لیں کہ وہ اس کی حاضری سے کہیں جی چرا تو نہیں رہے ہیں۔ اپنے گھروں سے نکلنے اور کئی کئی دن باہر لگانے کی ضرورت ہمیں اپنے معمول کے شب و روز میں بھی بارہا پیش آتی رہتی ہے۔ ان کے لئے بھی ہم اپنی ترجیحات میں ردّ و بدل اور مصروفیات میں تقدیم و تاخیر کرتے ہیں' ایک طرف سے فائدے کے لئے دوسری طرف کا نقصان برداشت کرتے ہیں۔ اللہ کے دین کا کام تو ہماری نجی ضروریات سے بہت زیادہ اہم اور یہ مقصد تو ہماری دنیوی اغراض سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کے لئے گھروں کا آرام تج دینا اور اپنے معمولات کے حصار سے نکلنا بہت ہی مبارک و مسعود ہے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہ۔

اجتماع گاہ میں ہم سب بیک وقت میزبان بھی ہوں گے' مہمان بھی۔ وہاں کی کلفت کو بھی راحت سمجھنا اور اپنے آرام' اپنی سہولت پر اپنے ساتھیوں کی آسانی کو ترجیح دینے میں وہ مزا ہو گا جس کی حلاوت میں سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حصہ عطا فرمائے۔ اس میں نظم و ضبط' حفظِ مراتب اور پابندیٔ اوقات بھی ہمارے استفادے کو دوچند کرنے کا باعث ہوں گے اور یہ سب کچھ کسی تکلف اور تصنّع کے تحت نہ ہو' خالص رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہو۔ اے اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرما۔ اَللّٰھُمَّ وفقنا لما تحب و ترضٰی..... آمین

امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک انقلاب کا طریقہ

اقتباس از "تحریک شیخ الہندؒ" تالیف مولانا سیّد محمدؐ میاںؒ

(شائع کردہ: مکتبہ محمودیہ، بیت الحمد، جامعہ مدنیہ، کریم پارک - لاہور)

حضرت شاہ صاحبؒ عدم تشدد اور اہنسا کے قائل نہیں تھے۔ وہ فوجی قوت سے انقلاب کے حامی تھے مگر وہ فوجی قوّت جس کی تربیت جہاد کے اصول پر ہوتی ہو جس کی حقیقت دشمن کشی اور غارت گری نہیں بلکہ اس کی حقیقت ہے محنت، جفاکشی، صبر و استقلال، ایثار اور قربانی یعنی اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو ختم کر کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لینا پھر اس مقصد کے لیے اپنی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی داؤ پر لگا دینا۔

"یا تن رسد بجاناں   یا جاں ز تن بر آید"

ایسا جہاد پیشہ ور سپاہیوں کی فوجوں سے نہیں ہوتا بلکہ ان رضا کاروں کے ذریعہ ہوسکتا ہے جن کی تربیت خاص طور پر کی گئی ہو جو نصب العین کو سمجھیں۔ نظریات کو اپنے جذبات بنالیں اور اصول کے سانچہ میں ان جذبات کو ڈھال لیں پھر ان کو کامیاب بنالینے کے لیے اپنے آپ کو تج دینا، ان کی زندگی کا آخری اور محبوب ترین مقصود ہو جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد

مہاجر قومی تحریک کا پس منظر

ایک فکر انگیز تجزیہ

ماہِ جنوری میں مدیر 'قومی ڈائجسٹ' جناب مجیب الرحمٰن شامی صاحب نے کراچی کی صورتِ حال' بلدیاتی انتخابات میں ایم کیو ایم کی کامیابی اور قومی سیاست میں ان کے کردار کے بارے میں سات سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ ملک کے متعدد اصحابِ علم و دانش کو ارسال کیا تھا ——
محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اُس سوالنامے کے جواب میں جو تحریر ارسال کی تھی وہ 'قومی ڈائجسٹ' کی حالیہ اشاعت (فروری ۸۸ء) میں شائع ہوئی ہے۔ سندھ اور کراچی کی صورتِ حال کے بارے میں محترم ڈاکٹر صاحب کا نقطۂ نظر وضاحت کے ساتھ 'استحکامِ پاکستان اور مسئلۂ سندھ' نامی کتاب میں سامنے آچکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ حالیہ تحریر جو کراچی کی تازہ ترین صورتِ حال خصوصاً ایم کیو ایم کے بارے میں ان کے خیالات کی آئینہ دار ہے، چونکہ ایک اہم قومی مسئلہ سے متعلق ہے لہٰذا اسے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب مجیب الرحمٰن شامی صاحب' وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

آپ کے سوالات کے جواب علیحدہ علیحدہ اور ہاں یا نہ کی صورت میں دینا مشکل بھی ہے اور اس صورت میں غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا امکان بھی ہے' لہٰذا اپنے "سوالنامے" کا حسب ذیل مجموعی جواب قبول فرمائیں:

کراچی اور حیدر آباد کی سیاسی فضا پر مہاجر قومی تحریک کے زیر عنوان جو تحریک بالکل غیر متوقع اور ناگہانی طور پر شروع ہو کر دیکھتے ہی دیکھتے طوفانی انداز میں چھا گئی ہے' وہ اپنی اصل نوعیت کے اعتبار سے منفی ردعمل کے ایک پیچ در پیچ سلسلے کی تازہ (اور غالباً آخری) کڑی ہے' جسے انگریزی میں 'VICIOUS CIRCLE' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کا ہر چکر اگلے چکر کے لئے وجہ جواز فراہم کرتا ہے۔

منفی ردعمل کے اس پیچ در پیچ سلسلے کا اولین اور اہم ترین سبب یہ ہے کہ پاکستان کی تحریک جس عوامی نعرے پر چلائی گئی تھی یعنی "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!" - - - - قیام پاکستان کے بعد اسے واقعیت کا جامہ پہنانے کی جانب کوئی محسوس اور قابل لحاظ پیش رفت نہیں ہوئی - - - - اس سے فکری اور جذباتی سطح پر جو خلا پیدا ہوا، اسے لامحالہ مادی ولولوں اور امنگوں ہی سے پُر ہونا تھا، لہٰذا اس کے نتیجے میں افراد کا زاویۂ نگاہ اور مطمحِ نظر ملّی اور ملکی سطح سے گر کر تدریجاً ذاتی مفادات و مصالح اور مقامی مسائل و معاملات کی سطح پر مرکوز ہوتا چلا گیا۔ اور معاملہ فی الواقع وہی ہوا کہ یا تو وہ عالم تھا کہ ع "گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود" کے مصداق پورے برعظیم ہند کے مسلمان جغرافیائی و علاقائی اور نسلی و لسانی امتیازات سے بالاتر ہو کر، اور ایک خالص مذہبی قومیت کے مضبوط بندھن میں بندھ کر بنیانِ مرصوص بن گئے تھے، جس کے نتیجے میں قیام پاکستان کا "معجزہ" صادر ہوا - - - - یا حالت رفتہ رفتہ یہ ہو گئی کہ ع "گاہ الجھ کے رہ گئی میرے "توہمات" میں!" کے مصداق اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں مسلمان صوبائی و علاقائی اور نسلی و ثقافتی قومیتوں میں منقسم ہو کر رہ گئے! جن کے مابین تنافس و تکاثر اور اس کے ضمن میں کھینچ تان اور چھینا جھپٹی ایک طبعی اور فطری امر ہے!

مشرقی پاکستان کی علیحدگی تک مغربی پاکستان میں یہ رجحانات کچھ دبے دبے سے رہے، لیکن سقوطِ ڈھاکہ کے فوراً بعد یہ سطح پر آ گئے اور رفتہ رفتہ ان کی شدت بڑھتی چلی گئی۔ چنانچہ ایک جانب "فرزندانِ زمین" (SONS OF THE SOIL) کی اصطلاح کا استعمال عام ہوا، اور دوسری جانب یہ بات کثرت سے کہی اور سنی جانے لگی کہ پاکستان میں چار قومیتیں آباد ہیں: پنجابی، سندھی، پختون اور بلوچ۔

اس پس منظر میں یہ واقعہ بالکل فطری اور منطقی نظر آتا ہے کہ مشرقی پنجاب کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے ہجرت کر کے پاکستان آنے والے لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ جیسے ان کے پاؤں تلے تو زمین ہی موجود نہیں! عدم تحفظ کے اس احساس نے انہیں ابتداءً تو بالکل سراسیمہ کر کے رکھ دیا تھا، لیکن جیسے جیسے وقت گزرا ان کے سامنے ایک راہِ عمل واضح ہوتی چلی گئی اور وہ یہ کہ اگر انہیں "فرزندانِ زمین" تسلیم نہ کیا جائے، تو وہ ایک "پانچویں قومیت" کی صورت تو اختیار کر ہی سکتے ہیں - - - - چنانچہ یہی لاوا پک کر ایم

کیوایم کے آتش فشاں کی صورت اختیار کر گیا۔

بہرصورت، اب معاملہ "یا چُناں کُن یا چُنیں!" والا بن چکا ہے کہ یا تو پنجابی، سندھی، پختون اور بلوچ قومیتوں کی بھی نفی کی جائے، یا پھر کھلے دل کے ساتھ تسلیم کیا جائے کہ "پانچویں قومیت" بھی حرام یا ناجائز نہیں ہے!

منفی ردعمل کے اس پیچ در پیچ سلسلے کا دوسرا سبب جس نے اس میں تلخی کا اصل زہر گھولا ہے، یہ ہے کہ ۔ ۔ ۔ بعض جغرافیائی عوامل پر مستزاد ایک خاص تاریخی پس منظر کے باعث، قیام پاکستان کے وقت اس میں شامل ہونے والے علاقوں میں سے بعض زیادہ خوشحال اور ترقی یافتہ تھے اور بعض پسماندہ! ۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ بچے کھچے پاکستان کا صوبہ پنجاب بحیثیت مجموعی اور شمال مغربی سرحدی صوبے کے وسطی اضلاع مختلف اعتبارات سے زیادہ خوشحال بھی تھے اور پاکستان کی سول اور ملٹری بیوروکریسی میں بھی ان کا پلڑہ فیصلہ کُن طور پر بھاری تھا۔ اب اگر ملک میں جمہوریت کو چلنے کا موقع دیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ عوام کا اعتماد برقرار رہتا اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اطمینان حاصل ہوتا کہ ہمارے حقوق اور مفادات کی حفاظت و نگہداشت کے لئے ہمارے نمائندے مرکزی اداروں میں موجود ہیں، بلکہ وسیع تر سوچ کی حامل قومی جماعتیں پروان چڑھتیں اور مناسب منصوبہ بندی کے ذریعے علاقائی عدمِ توازن کو تدریجاً ختم کر دیتیں ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن افسوس کہ ہوا اس کے بالکل برعکس! ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی مارشل لاء کے پے بہ پے تسلّط نے ملک کے شمالی اور جنوبی صوبوں کے درمیان رفتہ رفتہ حاکم و محکوم، اور مستکبرین اور مستضعفین کی سی نسبت قائم کر دی جس کا ردعمل نہایت خوفناک ہوا اور مشرقی پاکستان کے مانند سندھ اور بلوچستان کی نوجوان نسل میں بھی یہ سوچ عام ہو گئی کہ۔

وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا!
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو؟

ان میں سے بلوچستان میں تو چونکہ قبائلی اور سرداری نظام رائج تھا اور مڈل کلاس سرے سے موجود ہی نہیں تھی لہٰذا وہاں کوئی عوامی تحریک شروع نہ ہو سکی بلکہ اس احساسِ محرومی نے گاہ بگاہ مسلّح بغاوت کی صورت اختیار کی جسے قوت کے ساتھ کچلا جاتا رہا ۔ ۔ ۔ ۔ البتہ سندھ کا

معاملہ مختلف تھا ۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ وہاں اولاً قدیم سندھیوں کی نوجوان نسل میں بالکل بنگلہ دیش کے مانند سندھی زبان اور ثقافت کی محکم بنیادوں پر قومیت کی طاقتور تحریک کا آغاز ہوا جس کا رخ شروع میں تو پنجابیوں اور مہاجروں دونوں کے خلاف تھا' لیکن ۱۹۷۲ء کے بعد اس کی قیادت نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مخالفانہ جذبات کا رخ خالصتاً پنجابیوں کی طرف موڑ دیا ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن چونکہ پیپلز پارٹی کے عہدِ حکومت میں ملک کی زمامِ کار ایک سندھی کے ہاتھ میں تھی للٰذا سندھ کی نوجوان نسل کی کچھ نہ کچھ اشک شوئی ہوتی رہی ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس کے بعد مارشل لاء کے دور میں بھی ضیاء الحق صاحب کے سندھی "رفقائے کار" سندھی نیشنلزم کا ہوّا دکھا کر مراعات حاصل کرتے رہے' للٰذا سندھ کے اندرونی علاقے میں سیاسی جوالامکھی تو کئی بار پھٹی لیکن سندھی نیشنلزم کا آتش فشاں تا حال نہیں پھٹنے پایا۔ تاہم اندر ہی اندر اس کی شدّت جس تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہے جو اندرونِ سندھ کے حالات سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے۔

سندھ کے اردو بولنے والے "مہاجرین" میں منفی ردعمل کی اساس پر قومیت کی تحریک کا آغاز بہت بعد میں ہوا۔ ان کی جس نسل نے بالفعل ہجرت کی تھی وہ تو "اسلام" اور "پاکستان" دونوں کی دل و جان سے شیدا تھی۔ اس لئے کہ اس نے اسلام کے نام پر پاکستان کے قیام کی تحریک میں مؤثر کردار ادا کیا تھا للٰذا اس نے جملہ صدمات کو صبر سے جھیل لیا ۔ ۔ ۔ ۔ پھر جب ان کی پہلی "پاکستانی نسل" جوان ہوئی اور اس نے اپنے لئے روزگار اور ترقی کے دروازے بند پا کر بے چینی محسوس کی تو حسنِ اتفاق سے اس وقت بین الاقوامی منڈی میں انسانی قوت و صلاحیت کی شدید مانگ پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ یہ نسل تقریباً پوری کی پوری ایکسپورٹ ہو گئی اور اندرون ملک کوئی نمایاں ردعمل ظاہر نہیں ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ البتہ جب مہاجرین کی دوسری نسل میدان میں آئی تو باہر کا بازار بھی ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ للٰذا متذکرہ بالا عوامل کے فطری نتیجے کے طور پر یہ نسل مرنے اور مارنے پر تل گئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایم کیو ایم کے زیرِ قیادت "مہاجر قومیت" کا آتش فشاں پھٹ پڑا جس سے مختلف النّوع تخریبی عناصر نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

اب اگر ان دونوں اسباب کو جڑ بنیاد سے ختم نہیں کیا جاتا' اور حالات کے دھارے کا رخ انقلابی انداز میں نہیں بدلا جاتا - - - - بلکہ صرف وعظ و نصیحت پر اکتفا کی جاتی ہے یا صرف جزوی و وقتی اور نیم دلانہ تدابیر اختیار کی جاتی ہیں تو اس صورت حال کا لازمی اور منطقی نتیجہ پاکستان کی تقسیم (BALKANIZATION) ہے اور اس صورت میں ایم کیو ایم کے سامنے آجانے کے بعد یہ امر بھی یقینی ہو گیا ہے کہ یہ تقسیم چار ٹکڑوں میں نہیں بلکہ پانچ میں ہوگی۔ اور اتنا خون بہے گا کہ سقوطِ بغداد' سقوطِ غرناطہ اور سقوطِ ڈھاکہ کی داستانیں ماند پڑ جائیں گی (اعاذنا اللہ من ذالک) اور ظاہر ہے کہ آگ اور خون کی یہ ہولی سب سے زیادہ سندھ ہی میں کھیلی جائے گی - - - - - چنانچہ یہی وہ حقیقت ہے جس نے انتہا پسند سندھی قوم پرستوں کو بھی اپنے نقشۂ کار پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس لئے کہ جس طرح ہندوستان کی تقسیم کے منطقی نتیجے کے طور پر مسلم لیگ کو پنجاب اور بنگال کی تقسیم قبول کرنا پڑی تھی' اسی طرح سندھ کی پاکستان سے علیحدگی کی صورت میں اس کی تقسیم حتمی اور یقینی ہے' اور یہ منطق کی وہ کاٹ ہے جسے کوئی خواہش یا تمنا نہیں روک سکتی! - - - - بنابریں' اگر کسی کے نزدیک ایم کیو ایم کا ظہور اور استیلاء "شر" کا مظہر ہے تب بھی اسے یہ ماننا چاہئے کہ اس کے بطن سے کم از کم یہ خیر ضرور برآمد ہوا ہے کہ اب انتہا پسند سندھی قوم پرست بھی اپنے حقوق کی جدوجہد کو اس طور سے آگے بڑھانے کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ پاکستان کی وحدت اور سالمیت برقرار رہے! اس لئے کہ وہ سندھ کی تقسیم کو کسی قیمت پر بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور سندھ کی سالمیت کی ضمانت صرف پاکستان کی سالمیت ہی کے ذریعے مل سکتی ہے!

اور اگر حالات کو سدھارنے کی نیم دلانہ نہیں بلکہ صمیم قلب کے ساتھ کوشش کرنی ہے - - - - تو جیسے لوہے کا پیچ لکڑی میں سیدھا نہیں ٹھوکا جاتا بلکہ اسے گھما گھما کر "کسا" جاتا ہے اور اسی طرح اسے یکبارگی سیدھا نکالا بھی نہیں جا سکتا بلکہ الٹے رخ پر گھما کر ہی "کھولا" جاتا ہے - - - - اسی طرح اس سمّی چکر (VISCIOUS CIRCLE) کو بھی ایک دم ختم کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ اس کی اصلاح بھی تدریجاً ہی ہو سکتی ہے - - - - جس کے ضمن میں تین اقدامات بھرپور انداز میں کرنے لازمی ہیں:

ایک یہ کہ قومیتوں کے ذکر پر جس "حساسیت" کا مظاہرہ کرنے کے ہم عادی ہوگئے ہیں اسے ترک کیا جائے اور "تصوّریتِ مطلقہ" (ABSOLUTE IDEALISM) کی بلندیوں سے ذرا نیچے اتر کر زمینی حقائق کو تسلیم کرنے والی "واقعیت پسندی" (REALISM) کی بھی کسی قدر عادت ڈالی جائے۔ اور مختلف نسلی، لسانی اور ثقافتی قومیتوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے تشخص کے تحفظ کی ضمانت دی جائے! اس ضمن میں حالات کی سنگینی کے پیش نظر یہ لازم ہے کہ قومی زبان کے ضمن میں یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ پاکستان کی سرکاری زبان عربی ہوگی اور پانچویں جماعت سے اس کی لازمی تعلیم کا فوری طور پر آغاز کر کے پندرہ بیس سال کے اندر اندر اس کی ترویج کا منصوبہ بنا لیا جائے - - - - اس کے علاوہ صوبائی سطح پر علاقائی زبانوں کی ترویج کے بھارتی فارمولے کو اختیار کیا جا سکتا ہے، خواہ اس کے لئے صوبوں کی لسانی اور ثقافتی بنیادوں پر تشکیل نو کی جائے خواہ بعض صوبوں کو صوبائی سطح پر بھی دو لسانی صوبہ قرار دیا جائے!

دوسرے یہ کہ جمہوریت کو بلا روک ٹوک کام کرنے بلکہ پھلنے پھولنے کا پورا موقع دیا جائے اور ایک جانب قومی سطح پر مارشل لاء سے جمہوریت کی جانب مراجعت کا جو عمل فی الوقت سست رفتاری سے جاری ہے اسے تیز کیا جائے - - - - اس لئے کہ اس میں جس قدر تاخیر ہو رہی ہے اتنی ہی ملک کی جڑیں کھد رہی ہیں؟ اور دوسری جانب کراچی کے مخصوص حالات اور گوناگوں مسائل کے پیش نظر ایم کیو ایم کی جو قیادت بلدیاتی سطح پر برسرِاقتدار آئی ہے اسے نہ صرف یہ کہ کام کرنے کا بھرپور موقع دیا جائے بلکہ صوبائی اور مرکزی حکومتیں اور جملہ قومی جماعتیں اس کے ساتھ پورا تعاون کریں اور پانی، بجلی اور ٹریفک ایسے گمبھیر مسائل کے حل کے لئے جو اضافی اختیارات انہیں درکار ہوں انہیں مہیا کئے جائیں۔

تیسری اور اہم ترین بات یہ کہ قوم کو اسلام کے اس عالمی غلبے کی جدوجہد کے لئے آمادہ کیا جائے جس کی پیشین گوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور اس کے لئے اس کے سامنے فوری طور پر پاکستان میں اسلامی انقلاب کا نصب العین رکھا جائے اور اس طرح گویا اپنے قومی نصب العین سے چالیس سالہ غفلت اور لاپروائی کا بھرپور کفارہ ادا کیا جائے۔ تاکہ ع "بھٹکے ہوئے راہی کو پھر سُوئے حرم لے چل!" اور ع "سُوئے قطار می کشم ناقہ بے

زمام را" والی کیفیت پیدا ہو سکے۔ اس لئے کہ صرف اسی کے ذریعے اتحاد ملی کو بھی فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور چھوٹے موٹے اختلافات کے ضمن میں حدِّ اعتدال سے متجاوز حسّاسیّت میں بھی کمی آ سکتی ہے۔

اگر ایسا ہو جائے تو انشاء اللہ العزیز وہ صورت پیدا ہو جائے گی جو علامہ اقبال کے ان اشعار میں بیان ہوئی ہے کہ ؎

آ ملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!

اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو ہولناک تباہی اور بربادی ہمارا مقدّر بن کر رہے گی اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ہم پاکستانی مسلمان ایک عظیم دوراہے پر کھڑے ہیں جہاں سے ایک راستہ پاکستان میں اسلامی انقلاب کی راہ سے اسلام کے عالمی غلبے کی طرف جاتا ہے اور دوسرا سرزمین سندھ کی راہ سے پورے برِ عظیم پاک و ہند سے اسلام اور مسلمانوں کی ملک بدری کی طرف!

اللہ تعالیٰ ہمیں پہلی راہ پر قدم بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فقط والسلام

خاکسار ڈاکٹر اسرار احمد عفی عنہ

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مِعراجُ النّبیؐ

علٰی صاحبہ الصلوٰۃ والسّلام

تالیف

ڈاکٹر اِسرار احمد

عمدہ آفسٹ پیپر، اعلیٰ طباعت، قیمت ۔/۳ روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدّامُ القرآن لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن فون ۸۵۲۶۸۲۱

۴۰ صفحات پر مشتمل ایک مختصر کتابچہ جس میں مؤلف نے نہایت سادہ لیکن مؤثر انداز میں قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور عقل وفطرت سے استدلال کرتے ہوئے سیرت طیبہ کے اس عظیم واقعے کا اثبات اس طور سے کیا ہے کہ

واقعۂ معراج

سے متعلق قریباً تمام الجھنیں رفع ہو جاتی ہیں۔

❀❀❀

اِن شاءَ اللّٰہُ العزیز

ماہنامہ **’میثاق‘** کا آئندہ شمارہ

رمضان المبارک کی مناسبت سے

ایک خصوصی نمبر پر مشتمل ہو گا

جس میں علاوہ دیگر مضامین کے

فضیلتِ ماہِ رمضان سے متعلق محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی چار تقاریر شامل اشاعت کی جائیں گی

بیسویں صدی عیسوی

میں صنم کدۂ ہند میں "احیائے اسلام" کی کوششوں پر ایک اہم تاریخی دستاویز

جماعتِ شیخ الہندؒ اور تنظیمِ اسلامی

- ابوالکلامؒ امام الہند کیوں نہ بن سکے ــ ؟
- 'حزب اللہ' اور دارالارشاد' قائم کرنے کے منصوبے بنانے والا "عبقریٔ وقت" کانگرس کی نذر کیوں ہوگیا!
- احیائے دین اور احیائے علم کی تحریکوں سے علماء کی بدظنی کیوں ؟
- کیا "اقامتِ دین" کی جدوجہد ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے !
- حضرت شیخ الہندؒ کیا کیا حسرتیں لے کر اس دنیا سے رُخصت ہوئے ؟
- علماء کرام اب بھی 'متحد' ہو جائیں تو

'اسلامی انقلاب' کی منزل دُور نہیں !

❖ فرائض دینی کا جامع تصور ❖ رجم ❖ عورت کی دیت ، اور دیگر مسائل پر ڈاکٹر اسرار احمد کی معرکۃ الآرا تحریروں اور خطبات کے علاوہ مورخِ اسلام مولانا سعید احمد اکبر آبادی ، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری ، مولانا افتخار احمد فریدی ، مہاجر کابل قاری حمید انصاری ، پروفیسر محمد اسلم ، مولانا محمد منظور نعمانی ، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی ، مولانا محمد زکریا ، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور دیگر نامور علماء کرام اور اہلِ علم حضرات کی تحریروں پر مشتمل تاریخی مرقع

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے مبسوط مقدمے کے ساتھ

● ضخامت ۴۵۶ صفحات (نیوز پرنٹ) ● قیمت -/۴۰ روپے

'میثاق' اور 'حکمتِ قرآن' کے مستقل خریداروں کو یہ کتاب ۲۵ فیصد رعایت پر مبلغ -/۳۰ روپے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پیش کی جائے گی ۔ ڈاک خرچ ادارے کے ذمے ہوگا ۔

نوٹ : 'کتاب چھپ کر آگئی ہے ۔ کراچی کے خریدارانِ 'میثاق' و 'حکمتِ قرآن' یہ کتاب کراچی آفس (داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت) سے بارعایت حاصل کرسکتے ہیں'

ملنے کا پتہ :

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

مقابل ہے آئینہ

کراچی کی آگ کو بھڑکانے میں کس کس کا ــــ کتنا کتنا حصّہ ہے؟

سقوطِ مشرقی پاکستان کے پندرہ برس بعد ــــ سندھ کیوں جل رہا ہے؟

پنجابی سندھی کشمکش ــــ مہاجر پٹھان تصادم کیوں بن گئی؟

کیا اِس شر میں کچھ خیر بھی ہے؟

سیاسی محرومیوں، انتظامی بے تدبیریوں، حکمرانوں کے آمرانہ طرزِ عمل، اپنوں کی مہربانیوں اور غیروں کی سازشوں کا ــــ بے لاگ تجزیہ

اصلاحِ احوال کی مثبت تجاویز

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کا تازہ سلسلہ مضامین

استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ

کتابی صورت میں دستیاب ہے

ہر دردمند پاکستانی کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے

۱۴۴ صفحات، سفید آفسٹ کاغذ، قیمت صرف ۱۵/ روپے

ملنے کا پتہ : ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور- فون: ۸۵۲۶۸۳

خطابِ جمعہ
ڈاکٹر اسرار احمد

جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ

الحمد للہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی خصوصاً علی افضلھم سید المرسلین خاتم النبیین محمدؐ الامین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ
وقال اللہ تبارک وتعالےٰ
وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ○
وَقَالَ اللہ عَزَّ وَعَلَا
فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ○
وقال اللہ تعالےٰ وسبحانہ
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

صدق اللہ العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ
اللّٰھم ربنا الھمنا رشدنا واعذنا من شرور انفسنا —
اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضٰی آمین یارب العٰلمین!

حضرات! گذشتہ جمعہ کو میں نے "جہاد بالقرآن" کے موضوع پر جس گفتگو کا آغاز کیا تھا اس کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو میں آئندہ جمعہ کو "جہاد بالقرآن" کے ضمن میں ان عملی صورتوں یعنی ' Applied Forms ' کا ذکر کروں گا جن کی بنیادی و اساسی ہدایات ہمیں قرآن مجید اور سیرت مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ملتی ہیں اور جنہیں ہم اپنے دور اور اپنے معاشرے میں ' Apply ' کر سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی عرض کروں گا کہ ان ہدایات کے انطباق کے عملی طریقے اور تقاضے کیا کیا ہیں! چنانچہ آج اس موضوع کے عملی پہلو پر گفتگو ہو گی۔

میں نے جہاں تک غور کیا ہے میں اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ ہماری دینی، ملی، قومی، معاشرتی زندگی میں اس وقت پانچ محاذ ایسے ہیں جو جہاد بالقرآن کے شدید طور پر متقاضی ہیں — رہا مسلمانوں سے باہر کا دائرہ! وہ تو ابھی بڑی دور کی بات ہے پہلا مسئلہ تو " Physician heals thyself " ———— کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس امت کو پوری نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے برپا فرمایا تھا۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ "تم وہ بہترین اُمّت ہو جس کو نوع انسانی کے لیے نکالا گیا ہے۔" دنیا کی دوسری قومیں اپنے لیے جیتی ہیں لیکن تمہیں ان کے لیے جینا ہے بقول علامہ اقبال ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے — کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

ہماری مثال تو اس ساقی کی سی ہے جس کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا جامِ ہدایت تھما دیا ہے۔ اور ایک ایک فردِ نوعِ بشر کو اس سے سیراب کرنا ہماری ذمہ داری ٹھہرائی ہے لیکن میں عرض کر رہا ہوں کہ یہ تو بہت دور کی بات ہے اس وقت یہ خیرِ امت اور امتِ وسط خود کس طرح کے ذہنی، فکری، اعتقادی، نفسیاتی، جذباتی اور عملی انتشار سے دوچار ہے اور مختلف روگ اسے لگ گئے ہیں۔ یہ اس وقت نہایت مہلک اور مزمن امراض میں مبتلا ہو چکی ہے ————

اس اعتبار سے عرض کر رہا ہوں کہ یہ کوئی دو چار سال کی بات نہیں ہے ہمارا یہ زوال اور انحطاط صدیوں پر پھیلا ہوا ایک عمل ہے لہٰذا پہلی اور مقدم ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنی ملت اور معاشرے کے دائرے کے اندر جائزہ لیں کہ اس وقت وہ کون کون سے فکری، نظریاتی، اعتقادی، نفسیاتی اور عملی اعتبار کے محاذ ہیں جن میں سے ہر ایک کے خلاف ہمیں قرآن مجید کی

شمشیرِ براں کو ہاتھ میں لے کر نبرد آزما اور صف آرا ہوتا ہے اور قرآن کے ذریعے جن کے صحیح علاج کی ہمیں فکر کرنی ہے۔

محاذ اوّل : جاہلیتِ قدیمہ

اس مسئلہ پر غور و فکر کے نتیجے میں اس وقت پانچ محاذ میرے سامنے آئے ہیں۔ سب سے بڑا محاذ جاہلیتِ قدیمہ کا ہے۔ بڑا اس اعتبار سے کہ یہ ہمارے عوام کی اکثریت کا معاملہ ہے۔ عوام الناس کی بڑی عظیم اکثریت کے اندر جاہلیتِ قدیمہ رچی بسی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپ جاہلیتِ قدیمہ کی اس اصطلاح کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ قرآن مجید اور احادیث شریفہ کی رُو سے اسلام سے پہلے کے دور کو "دورِ جاہلیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی حقانیت، صداقت اور ہدایت کے برعکس جو کچھ بھی پہلے تھا اور جو کچھ اب ہے وہ "جاہلیت" ہے ــــ جاہلیت کو جہالت کے معنوں میں مت لیجئے گا ــــ یہ خلطِ مبحث ہو جائے گا۔ ویسے جہالت کے بھی عربی میں وہ معنی نہیں ہیں جو ہم اردو میں استعمال کرتے ہیں۔ اردو میں ہم ان پڑھ انسان کو جاہل کہتے ہیں۔ یعنی عالم کے مقابلے میں اردو میں جاہل کا لفظ مستعمل ہے۔ جب کہ عربی میں حلیم کے مقابلے میں جاہل کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ایک وہ انسان ہے جو بُردبار ہے، صاحبِ عقل ہے، غور و فکر کرتا ہے، محض جذبات سے مغلوب نہیں ہوتا بلکہ عقل کی رہنمائی میں فیصلے کرتا ہے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی کا رُخ متعین کرتا ہے۔ عقلی دلیل کی بنیاد پر کسی بات کو قبول یا مسترد کرتا ہے۔ یہ ہے حلیم انسان ــــ ایک شخص وہ ہے جو جذباتی ہے، اکھڑ ہے، غیر مہذّب ہے، ناشائستہ ہے، شہوات و جذبات کی رَو میں بہہ جاتا ہے، اس کی عقل پر تعصّبات و خواہشات کے پردے پڑے ہوئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص پی۔ ایچ۔ ڈی ہو، ہو سکتا ہے کہ بہت تعلیم یافتہ انسان ہو، لیکن اسلام کی رُو سے یہ شخص جاہل ہے۔ جاہل سے جہالت بنے گا لیکن اسی لفظ جہل سے جاہلیہ ایک اصطلاح بنتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام کے ماوراء اور اسلام کے سوا جو کچھ ہے اور تھا وہ جاہلیہ ہے۔

اس جاہلیہ کو میں اس وقت دو حصوں میں تقسیم کر کے آپ حضرات کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ ایک جاہلیتِ قدیمہ ہے۔ یہ وہ جاہلیت ہے جو عرب معاشرے میں اُس وقت نہایت غالب عنصر کی حیثیت سے موجود تھی جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی ـــ اس جاہلیتِ قدیمہ کے لیے اگر آپ ایک لفظ استعمال کرنا چاہیں گے تو وہ ہے شرک یعنی مشرکانہ اوہام جو توحید کی ضد ہے ـــ اور ثانیاً دوسرا اہم لفظ اسکے ساتھ آئے گا جو ایمان بالآخرۃ کے مقابلے میں آتا ہے، وہ ہے شفاعتِ باطلہ کا تصوّر و عقیدہ ـــ یہ دو چیزیں تھیں جن سے جاہلیّتِ قدیمہ مرکّب تھی۔ جاہلیتِ قدیمہ میں اللہ کا انکار نہیں تھا۔ اللہ کو وہ مانتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا شخص اگر گاہ بگاہ بھی ترجمہ دیکھ لیتا ہے تو اس پر یہ حقیقت روشن ہو گی کہ کتنی مرتبہ قرآن نے یہ بات کہی ہے کہ اے نبیؐ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یہ لوگ فوراً پکار اٹھیں گے۔ کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ اے نبی اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے بارش کون برساتا ہے اور مردہ زمین سے نباتات کون اگاتا ہے تو فوراً کہیں گے کہ اللہ ـــ : وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو وہ اللہ کے منکر نہیں تھے۔ البتہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور معبودوں کی ایک فوج تصنیف کر رکھی تھی۔ کہیں وہ اللہ کے ساتھ جنّات کو پوجتے تھے۔ کہیں انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر ان کے نام پر دیویاں تراشی لی تھیں اور ان کے لیے استھان بنا لیے تھے۔ ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ وہاں جا کر منتیں مانتے تھے اور دعائیں کیا کرتے تھے۔ یہ تھا ان کا شرک۔ یہ شرک آج بھی آپ کو اپنے عوام میں بکمال و تمام ملیگا، ایک شوشے کا فرق نہیں ہے۔ صرف شکلیں بدل گئی ہیں۔ اس شرک نے صرف ہیئت بدل لی ہے کہ آج پتھر کی بنی ہوئی مورتیاں سامنے نہیں رکھی جاتی ہیں لیکن قبروں کے ساتھ وہی معاملہ ہو رہا ہے جو اس دور میں بتوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ سرِ مُو فرق نہیں۔ عرسوں کے نام سے یہ جو بڑے بڑے میلے ہوتے ہیں ذرا ان میں جا کر دیکھیے ہوتا

کیا ہے! میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ نے دورِ جاہلیت کے عرب کے میلوں کی روداد یں پڑھی ہوں تو وہ شاید ان سے کہیں پیچھے رہ جائیں ــ اس جاہلیت قدیمہ کا ایک جزو تو یہ ہے۔

اس جاہلیتِ قدیمہ کا دوسرا جزو کیا ہے؟ وہ ہے شفاعتِ باطلہ کا عقیدہ و تصور ـــ جب ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ تم مانتے ہو کہ اللہ ہی خالق ہے اللہ ہی مالک ہے۔ اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اُسی نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے تو فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ[1] اور فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ[2] ـــ یہ سب کچھ مان کر کہاں سے اندھے ہوئے جا رہے ہو؟ کہاں سے پھرائے جا رہے ہو؟ کہاں سے تمہیں اُچکا جا رہا ہے؟ تمہاری مت کیوں ماری جا رہی ہے؟ ـــ اس کے جواب میں قرآن مجید نے ان کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ سورۂ یونس میں ان کا یہ قول نقل ہوا۔ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط ہم ان بتوں کو خالق اور مالک تو نہیں مانتے۔ لیکن ہم ان کو برگزیدہ ہستیاں ضرور مانتے ہیں جن کے نام پر ہم نے یہ بُت بنا لیے ہیں۔ یہ مقربینِ بارگاہِ ربّ العزت ہیں۔ یہ اللہ کے لاڈلے ہیں، چہیتے ہیں، فرشتے جن کو ہم نے دیویاں بنایا ہے یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور بیٹیاں بہت لاڈلی ہوتی ہیں۔ کوئی لاڈلی بیٹی اگر فرمائش کرے تو کوئی باپ اس کی فرمائش کو رد نہیں کرتا۔ لہٰذا ہم جو ان بتوں کو پوجتے ہیں تو صرف اس لیے کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی بنیں گے۔ ہماری شفاعت کریں گے اور اللہ کے یہاں ہمیں چھڑوا لیں گے۔ گویا اللہ کے عدل و انصاف کے آگے یہ رکاوٹ بن جائیں گے هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط ـــ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدے کا سورۂ زمر کی تیسری آیت میں ذکر فرما کر اس کی قطعی طور پر نفی فرما دی۔ وہاں ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ

---

[1] : وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی يُؤْفَكُوْنَ ○ (العنکبوت : ۶۱)

[2] - ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ○

اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ○ —— ترجمہ: "آگاہ رہو، خبردار رہو دینِ خالص اللہ کا حق ہے۔ ہر نوع کی عبادت و اطاعت کا سزاوار اور مستوجب و مستحق صرف اللہ ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا دوسروں کو اپنا ولی اپنا پشت پناہ، اپنا مددگار، اپنا حامی بنا رکھا ہے اس یقین کے ساتھ کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔ وہ اللہ کے یہاں ہمارے اور اس کے درمیان عفو و مغفرت کا واسطہ اور ذریعہ بن جائیں اور ہمیں اس کا قرب دلا دیں۔ (مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى) — اے نبی ان کو متنبہ کر دیجیے کہ اللہ انکے درمیان ان تمام باتوں کا آخرت میں فیصلہ فرما دے گا جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا، منکرِ حق اور ناشکرا ہو۔"

آخرت میں محاسبہ سے محفوظ رہنے کے لیے یہ تھا اُن کا شفاعتِ باطلہ کا تصوّر۔

یہ دو چیزیں یعنی شرک اور شفاعتِ باطلہ کا عقیدہ اصلًا تو ایک ہی ہے — انہیں تصویر کے دو رخ کہہ لیجیے۔ میں نے بغرضِ تفہیم انہیں علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے کہ جاہلیتِ قدیمہ ان دو اجزاء سے مرکب تھی — اس لئے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ نہ اللہ کے منکر تھے اور نہ آخرت کے منکر تھے۔ اللہ کو مان کر اس کے ساتھ دیوتاؤں اور دیویوں کو مان رہے تھے اور آخرت کو مان کر وہاں شفاعتِ باطلہ کا عقیدہ و تصوّر رکھتے تھے۔ یہ ہے جاہلیتِ قدیمہ —— اب اگر کوئی شخص چاہے تو اپنی آنکھیں بند کر لے لیکن اس طرح حقیقت تو بدل نہیں جائے گی۔ اور اگر کوئی آنکھیں کھول کر اپنے معاشرے کا تنقیدی جائزہ لے تو اسے صاف نظر آ جائے گا کہ ہمارے معاشرے کی عظیم اکثریت ان دونوں گمراہیوں میں مبتلا ہے۔ اس عظیم اکثریت کا دین ہے کیا؟ اولیاء پرستی کا دین ہے، عرسوں کا دین ہے، تعزیہ پرستی کا دین ہے۔ قبروں پر حاضری اور وہاں چڑھاوے چڑھانے، منتیں ماننے اور دعائیں مانگنے کا دین ہے۔ نماز روزہ تو اس دین میں بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ ہو جائے تو بڑی بات ہے، لیکن یہ اس عوامی دین کے لزوم میں داخل نہیں ہیں۔ یہ اکثریت اس وہم میں

مبتلا ہے کہ یہ اولیاء کرام جن کی قبروں پر ہم نذر و نیاز چڑھاتے ہیں، آخرت میں ہمارے سفارشی بن جائیں گے۔ اور پھر ہمارے سب سے بڑے شفیع خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے جن کے ہم نام لیوا ہیں۔ چنانچہ کسی محاسبۂ اُخروی کے خوف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لہٰذا پہلا محاذ تو یہ جاہلیتِ قدیمہ ہے جس کے خلاف ہمیں تلوار اٹھانی ہوگی۔ لیکن تلوار کون سی؟ قرآن کی تلوار ــــ اس محاذ پر ابلیس کے اس فریب و اغوا کے لیے قرآن ہی تلوار کا کام دے گا۔ میں اس موضوع پر علامہ اقبال کے یہ اشعار بارہا آپ کو سنا چکا ہوں جن میں درحقیقت دو احادیث کی ترجمانی کی گئی ہے۔

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است ۔۔۔ زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی ! ۔۔۔ کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

اس جاہلیتِ قدیمہ کا ذکر قرآن مجید میں نہایت جلی انداز میں ہے چوں کہ اس دور میں بھی شرک غالب تھا اور اصل گمراہی یہی تھی۔ لہٰذا جن حضرات کو بھی قرآن مجید سے شغف ہے اور جو حضرات آجکل تراویح میں دورہ ترجمہ قرآن میں شرکت کر رہے ہیں، وہ اس بات کو جانتے ہوں گے کہ قرآن مجید کا دو تہائی حصہ مکّی سورتوں پر مشتمل ہے۔ اور مکّی سورتوں کا سب سے بڑا مضمون یہی ہے۔ بار بار مختلف پیراؤں میں، مختلف اسلوب سے، مختلف انداز سے اس شرک اور شفاعتِ باطلہ کے عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ کہیں تمثیلات کے انداز میں سمجھایا جا رہا ہے۔ کہیں عقلی دلائل کے ذریعے سے سمجھایا جا رہا ہے۔ کہیں ان ہی کے مؤقف سے ان پر حجّت قائم کی جا رہی ہے۔ گویا کہ سورۂ کہف میں تصریف الآیات کے متعلق جو الفاظ آتے ہیں: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

اور ذرا سی ترتیب کی تبدیلی کے ساتھ یہی بات سورۃ الاسراء میں بایں الفاظ آتی ہے: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ــــ یہ الفاظ اس بات کے اظہار کے لیے آتے ہیں کہ ہم نے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، ہم نے کوئی چیز رہنے نہیں دی، ہم نے کوئی اندازِ بیان چھوڑا نہیں ہے کہ جس کے ذریعے ہم نے اس ضلالت، اس گمراہی کی نفی نہ کر دی ہو اور اس کا ابطال نہ کر دیا ہو ــــ اس جاہلیتِ قدیمہ کے محاذ کے لیے میں

سمجھتا ہوں کہ کسی دقیق یا بھاری بھرکم علمی منصوبے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر صرف دورۂ ترجمہ قرآن کی مہم ہمارے معاشرے میں چل جائے تو وہ لوگوں کے عقائد کی تطہیر کے لئے کافی ہو جائے۔ اس کے لیے دقیق وعمیق تفاسیر کی ضرورت نہیں، خوش قسمتی سے ہمارے یہاں ایک کام عظیم پیمانے پر ہو رہا ہے لیکن کاش وہ کام فضائل اور ضعیف و شاذ روایات سے بلند تر ہو اور ترجمۂ قرآن کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہو جائے کہ ہر مسجد میں فرض نمازوں کے بعد لوگ جمع ہو جائیں اور قرآن حکیم کے متن کے ساتھ کوئی مستند ترجمہ لوگوں کو سنایا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ قرآن مجید کے متن کے ساتھ مجرد ترجمہ اس جاہلیتِ قدیمہ کا قلع قمع کرنے کے لیے کافی ہو گا۔ ان شاء اللہ العزیز — اس کے لیے قرآن حکیم کی حکمت کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زنی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لیے میں مثال دیا کرتا ہوں کہ اگر سمندر میں کہیں تیل گر جائے، تیل کا کوئی ٹینکر سمندر میں پھٹ جائے تو تیل سطح سمندر کے اوپر ہی رہتا ہے۔ بالکل اسی طریقے سے قرآن مجید میں جاہلیتِ قدیمہ کا جو ابطال ہے اس کی جو نفی ہے، جو تردید ہے اور توحیدِ خالص کی جو دعوت ہے، اس کے لیے جو استدلال ہے وہ بالکل سطح پر ہے، سامنے موجود ہے۔ اس کے لیے گہرائی میں اترنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ بات جان لیجیے کہ اس محاذ کے خلاف جب تک قرآن مجید کے ساتھ جہاد نہیں ہو گا تب تک مشرکانہ اوہام اور شفاعتِ باطلہ کے عقیدے کی تردید ممکن نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ہمارے یہاں فرقہ وارانہ انداز سے ان پر جو تنقیدیں ہوتی ہیں اور ان کی جو نفی کی جاتی ہے، ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح تو ضد بڑھتی ہے۔ اس طریقے سے تو ہٹ دھرمی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس طور سے تو کدورت اور تلخی مزید پختہ ہوتی ہے — اس لیے کہ پھر وہاں معاملہ ہو جاتا ہے فرقہ وارانہ مفادات کا — وہاں معاملہ آجاتا ہے فرقہ وارانہ عصبیت کا۔ تو اس رنگ میں اور اس انداز میں تردید کرنا اور چند مخصوص چیزوں کو نشانہ بنا کر انہی پر گولہ باری کرتے چلے جانا، اس سے کچھ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ وہ تو قرآن مجید نے اس مسئلہ کا جو Panoramic View لیا ہے اور جو اس کا وسیع پس منظر ہے اس کو قرآن حکیم جس قابلِ فہم، بلیغ و فصیح اور بدیہیاتِ فطرت کے تاروں کو چھیڑنے

والے انداز و اسلوب سے بیان کرتا ہے، اس کے مقابل میں کون مسلمان یہ گمان کر سکتا ہے کہ میں اس سے بہتر اور دلنشین انداز اور ناقابلِ تردید دلائل کے ساتھ ان کو بیان کر سکتا ہوں اور اگر گمان کرے تو کیا اس کا ایمان سلامت رہ جائے گا ؟ معاذاللہ۔ کیا کوئی مسلمان بقائمی ہوش و حواس یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کا بیان کردہ فلسفہ، اس کے پیش کردہ دلائل قرآن حکیم کی حکمت اور آیاتِ بیّنات سے زیادہ محکم اور روشن ہیں ! معاذاللہ ثم معاذاللہ ــــ آیاتِ بیّنات تو وہ ہیں، جن کے متعلق سورۂ حدید میں ارشاد فرمایا گیا۔ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۔" وہ ذات صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے جو اپنے بندے (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر روشن اور واضح آیات نازل فرما رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے"۔ رسول کی بعثت اور قرآن حکیم کا نزول اس کی شانِ رأفت اور شانِ رحمانیّت و رحیمیّت کے مظاہر اتم ہیں۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔

پس اگر ملک گیر پیمانے پر قرآن مجید کے ترجمے کی مہم شروع ہو جائے تو میرے نزدیک یہ ہے پہلے محاذ کے روگ کا مداوا۔ میں نے اس کو نمبر ایک پر اس لیے رکھا ہے کہ عددی اعتبار سے ہماری ملت، ہماری قوم کی جو عظیم ترین اکثریت ہے وہ درحقیقت اسی جاہلیتِ قدیمہ کا شکار ہے۔

محاذ دوم : جاہلیتِ جدیدہ

ــــــــــــ ــــــــــــ یہ جاہلیت جدیدہ کیا ہے ! یہ ہے الحاد۔ اس میں اللہ کا انکار ہے۔ اس میں بعث بعد الموت کا انکار ہے۔ اس میں مادّے (Matter) سے ماوراء کسی شے کو تسلیم کرنے سے اعراض، احتراز اور اجتناب ہے۔ اسی جاہلیتِ جدیدہ کے لیے میں ایک لفظ استعمال کرتا رہا ہوں اور وہ ہے طبیعاتی عقل پرستی 'Scientific Rationalism'

اِس جدید دور کی عمر ہے قریباً تین سو برس۔ یورپ کے دو ممالک فرانس اور جرمنی میں دو تحریکیں بیک وقت شروع ہوئی تھیں۔ ایک تحریکِ اصلاحِ مذہب، دوسری تحریکِ احیاءالعلوم۔ بدقسمتی سے اُس وقت یورپ میں عیسائیت کے نام سے جو مذہب تھا اُس کا نہایت ظالمانہ و جابرانہ نظام تھا۔ پھر یہ کہ نہایت غیر معقول اور بعید از انصاف نظام تھا اِس میں ملوکیت (Monarchy) اور پاپائیت ——— (Theocracy) کا گٹھ جوڑ تھا۔ اس کی وجہ سے لوگوں میں مذہب سے ایک نفرت پیدا ہوگئی تھی۔ ایک ردِّ عمل کی صورت تھی۔ ایک 'Reaction' تھا۔ اس پس منظر اور اِس فضا میں جب سائنس کی ترقی شروع ہوئی تو سائنس کی جڑوں میں الحاد پیوست ہوگیا۔ نقطہ نظر یہ بن گیا کہ جو چیز 'Verifiable' نہیں ہے، جس کی ہم توثیق یا تردید نہیں کر سکتے، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہونی چاہیے لا یعبوبہ۔ وہ چیزیں ایسی ہیں جن کی طرف توجہ کرنا بے سود ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ ہم یقین کے ساتھ یہ جان سکیں کہ اللہ ہے یا نہیں ہے تو چھوڑو۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم کہہ سکیں کہ مرنے کے بعد زندگی ہے یا نہیں ہے۔ اس کا ہمارے پاس کوئی سائنسی ثبوت نہیں ہے۔ .... کسی نے موت کی سرحد پار کرنے کے بعد پھر واپس آکر ہمیں خبر نہیں دی۔ لہٰذا اِس کو چھوڑیئے۔ خواہ مخواہ کے ڈھکوسلے ہیں۔ کوئی مانتا ہے تو مانے۔ لیکن یہ قابلِ توجہ مسئلہ نہیں ہے۔ اسی طریقے سے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ ہمارے جسم میں جو جان (Life) ہے۔ اِس کے سوا روح نام کی بھی کوئی شے ہے۔ اِس کی آج تک کوئی توثیق (Verification) نہیں ہوسکی لہٰذا اس مسئلہ کو چھوڑو۔ جو چیزیں موجود ہیں، ٹھوس ہیں، قابلِ تصدیق ہیں ——— ہمارے حواسِ خمسہ کے دائرے میں آتی ہیں ان ہی پر توجہ مرتکز رکھو۔ ....

لہٰذا طبیعیاتی، عقل پرستی کا فارمولا یہ بنا کہ اللہ ایک خیالی و تصوراتی چیز ہے جب کہ کائنات ایک حقیقت ہے۔ روح بھی ایک تصوراتی چیز ہے جب کہ مادّہ اور جسم ایک ٹھوس حقیقت ہے حیاتِ اخروی بھی اسی قبیل کی شے ہے جب کہ حیاتِ دنیوی ایک حقیقت ہے اور اس سے

ہر وقت، ہر لمحہ اور ہر لحظہ سابقہ ہے۔ لہٰذا ماورائے حواس اور خیالی و تصوّراتی باتوں پر غور کرنا وقت کا زیاں ہے اس کے بجائے ہماری توجہات کا ارتکاز ان چیزوں پر ہونا چاہیئے۔ جو ٹھوس ہیں، نگاہوں کے سامنے ہیں، حواس کی گرفت میں آنے والی ہیں، قابلِ توثیق ہیں اور جن سے ہمیں ہر دم واسطہ پڑتا ہے۔ یہ ہے اصل میں اس دور کی جاہلیت کا صغریٰ کبریٰ۔ یہ ہے جاہلیت جدیدہ۔

اس موقع پر میں آپ سے یہ عرض کر دوں کہ یہ نہ سمجھیئے گا کہ یہ بالکل نئی جاہلیت ہے۔ دبے دبے انداز میں ایک محدود پیمانے پر یہ جاہلیت اُس دور میں بھی موجود تھی۔ یہ مادّہ پرستی، یہ الحاد۔ یا اس کے لیے نہایت مناسب لفظ ہوگا دہریت — یہ دہریت بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وقت بھی موجود تھی۔ میں حیران ہوں کہ قرآن مجید میں ایک ہی جملہ میں اُس قلیل گروہ کے دہریت کے فلسفہ کو اس طریقے سے بیان کر دیا گیا ہے کہ دورِ جدید کی ہر نوع کی جاہلیت اور دہریت کی طرف بھی اس میں واضح اشارات موجود ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے جس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس میں پچھلے زمانے کی بھی خبریں ہیں اور آنے والے زمانے کی بھی۔ قرآن کا ایک جملہ دہریت و الحاد کے تمام مکاتیبِ فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ۔ بات ختم۔ اس مکتبِ فکر کا قول نقل فرمایا گیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی تو بس ہماری یہی دنیا کی زندگی ہے یعنی ہم نہیں مانتے کہ اس زندگی کے بعد بھی کوئی زندگی ہے۔ پھر یہ کہ کوئی بالاتر طاقت یا ہستی نہیں ہے جس کے فیصلے سے ہمارا یہ مرنا اور ہمارا یہ جینا ہو رہا ہو۔ نَمُوْتُ وَنَحْيَا۔ ہم خود ہی مرتے ہیں اور خود ہی زندہ رہتے ہیں —— قرآن مجید میں اس کے بالکل برعکس حقیقت بیان ہوتی ہے يُحْيٖ وَيُمِيْتُ۔ وہ اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے لیکن یہاں نسبت اپنی طرف ہے نَمُوْتُ وَنَحْيَا۔ ہم خود ہی مرتے ہیں اور خود ہی جیتے ہیں۔ وہاں نسبت اللہ کی طرف ہے وہ تبارک و تعالیٰ ہے جو موت دیتا ہے اور زندہ رکھتا ہے۔ یہ کارگاہِ موت و حیات اُسی کی تخلیق ہے اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ

دَا لۡحَیٰوۃَ ۔اس مکتبۂ فکر کا یہ نظریہ آگے بیان ہوا ۔ وَ مَا یُھۡلِکُنَاۤ اِلَّا الدَّھۡرُ ۔اور ہمیں ہلاک کرنے والی چیز بھی سوائے گردشِ افلاک کے اور کچھ نہیں ۔ ایک نظام رواں دواں ہے ۔قوانینِ طبیعہ ہیں ——— 'Laws of the Nature' ہیں ۔ ان کے تحت اس کائنات کا کارخانہ چل رہا ہے۔ لوگ پیدا ہوتے ہیں، جیتے ہیں، مرتے ہیں ۔کسی بالاتر طاقت اور موت کے بعد دوبارہ وجود اور کسی دوسری زندگی کو ہم نہیں مانتے ——— تو بتائیے کہ اس دور کی جدید جاہلیت اس سے آگے اور کہاں جائے گی ! بلکہ آج کے دور کے سائنٹیفک ذہن رکھنے والے لوگ تو پھر بھی محتاط الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم یقین کے ساتھ کہہ نہیں سکتے کہ یہ باتیں حقیقت رکھتی ہیں یا نہیں ! ہم کوئی حتمی حکم نہیں لگا سکتے کہ اللہ ہے یا نہیں ! آخرت ہے یا نہیں ! حال ہی میں افطاری کے موقع پر ایک صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی ۔ بڑے پڑھے لکھے شخص معلوم ہوتے تھے سرکاری افسر ہیں ۔ انہوں نے یہی بحث چھیڑی اور برٹرینڈ رسل کے حوالے سے چھیڑی جو اس دور کے عظیم ترین اور نہایت مسلّمہ فلسفیوں میں سے تھا اور الحاد، دہریت اور مادیت کا جو فلسفہ ہے۔ اللہ، آخرت، روح اور اخلاق کی نفی کا جو معاملہ ہے، اس نے بڑے پیمانے پر اس کا پرچار کیا ہے اور جس مقبول عام اور دلنشین اسلوب و انداز سے کیا ہے، اس کا صحیح اندازہ ہم کو نہیں ہے اس نے ہماری نئی نسل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں اکثریت کے اذہان کو مغلوب کر رکھا ہے ——— تو یہ ہے جاہلیتِ جدیدہ ——— اس کے جراثیم اگرچہ وہاں بھی موجود تھے، جیسا کہ میں نے ابھی سورۂ جاثیہ کی ایک آیت کے ابتدائی حصّے کے حوالے سے بیان کیا ہے ۔لیکن یہ چیز وہاں دبی ہوئی تھی ۔ اس دور میں شاذ ہی تھے ایسے 'Perverted Intellectuals' ——— ایسے دانشور جن کی ذہنیت مسخ ہو جاتی ہے ۔اُس دور میں ایسے لوگ آٹے میں نمک کے برابر تھے ۔ وہاں جو غالب جاہلیت تھی وہ تھی جس کو میں جاہلیتِ قدیمہ کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں ۔ اللہ کو ماننے کے ساتھ چھوٹے معبودوں کا اقرار اور ان کی پوجا پاٹ اور آخرت کو ماننے کے ساتھ شفاعتِ باطلہ

کا تصور اور عقیدہ ــــ یہ تھی ان کی اصل گمراہی ــ اس کے بارے میں، میں عرض کرچکا ہوں کہ اس کو تو قرآن نے اتنا DISCUSS کیا ہے، اس پر نہایت نمایاں اور واضح انداز میں اتنی بحث کی ہے اور اس کا ابطال کیا ہے کہ اس پر زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس کے لیے ان شاء اللہ ترجمۂ قرآن کفایت کرے گا۔

البتہ جاہلیتِ جدیدہ کا معاملہ وہاں بہت کم تھا لہٰذا اس پر قرآن مجید میں بحث اس انداز میں نہیں ہے جو جاہلیتِ قدیمہ کے ضمن میں کی گئی ہے لیکن اس کے لئے بھی یہ رہنمائی ہے ان باصلاحیت، باہمت اور ذہین لوگوں کے لیے جو کمر کَس لیں اور پھر قرآن حکیم کی آیاتِ بیّنات میں غوطہ زنی کریں اور جدید اسلوب و انداز کے ساتھ اس کا ابلاغ و اعلام کریں اس لیے کہ زمانہ بدل گیا ہے، STYLE بدل گیا ہے۔ جن اصطلاحات میں لوگ بات سمجھتے ہیں، وہ اصطلاحات بدل گئیں ہیں۔ اگر آپ بہترین اور مسکت بات کہیں گے لیکن قدیم اصطلاحات میں کہیں گے تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس کے لیے استدلال آپ کو جدید اصطلاحات میں ڈھال کر پیش کرنا ہوگا ــ پھر یہ کہ اس جاہلیتِ جدیدہ کے لیے اس دور میں جو عقلی مواد فراہم کیا گیا ہے، اس کا ابطال کرنا ہوگا۔ اس کے لیے آپ کو عقلی دلائل لانے ہوں گے۔ اگرچہ ان تمام کاموں کے لیے اصل تلوار قرآن ہی کی استعمال ہوگی۔ لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ اس میدان میں محنت کی ضرورت ہوگی اس میں قرآن حکیم میں غوطہ زنی کرنے کے لیے چند نوجوانوں کو اپنی پوری پوری زندگیاں وقف کرنی ہوں گی۔ پھر سائنس، جدید فکر اور فلسفہ بے شمار گوشوں کے اندر پھیل چکا ہے۔ اس دور میں علم الحیاتیات، علم الحیوانات کی طرح کی 'Physical Sciences' بھی ہیں، پھر 'Social Sciences' بھی ہیں۔

ــــــــــــ اس کے متعلق یہ بات جان لیجئے کہ ڈارون کا فلسفۂ ارتقا اب صرف حیاتیات کے میدان تک محدود نہیں رہا ہے اس نے انسان کے معاشرتی اقدار، تمدنی و تہذیبی فکر حتیٰ کہ فلسفۂ اخلاقیات کو تلپٹ کرکے رکھ دیا ہے اور ان سب پر ڈارون کے فلسفۂ ارتقاء کا غلبہ ہو رہا ہے۔

ان سب پر اس کا تسلط ہے اور یہ فلسفہ انسان کو محض ایک ترقی یافتہ حیوان کی سطح پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اس فلسفہ نے حیوانی شہوات و داعیات کی تسکین کے لیے انسان کو حیوانات کی طرح کھلا لائسنس دے دیا ہے۔ چنانچہ اس زہر کا تریاق فراہم کرنا ہوگا۔ لہٰذا یہاں تو ضرورت ہوگی کہ جاہلیتِ جدیدہ کے ابطال کے محاذ کے لیے خود اس کے اندر بہت سے محاذ کھولے جائیں۔ ماہرینِ نفسیات نے نفسیات (Psychology) کے میدان میں جو گل کھلائے ہیں اور گمراہیاں پھیلائی ہیں' جن کا سرخیل ہے فرائڈ' جس نے انسان کے تمام محرکاتِ عمل کو جنسی جذبے کے تابع قرار دیا ہے۔ ان سب کا ابطال کرنا ہوگا۔ پھر عمرانیات (Sociology) کے میدان میں جو بھی باطل اور گمراہ کن نظریات آئے ہیں' ان سب کا توڑ کرنا ہوگا۔ مارکسزم (MARXISM) اس دور کا سب سے مقبول فکر ہے جس کا اذہان ہی پر نہیں بلکہ دنیا کے قابلِ ذکر ممالک پر عملاً اس نظامِ فکر کا استیلاء و تسلط ہے۔ مارکسزم کے متعلق یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ مادیت کا نقطۂ عروج یہ مارکسزم اور کمیونزم ہے ——— Materialism ' ہی اپنی انتہاء کو پہنچ کر Dialectical Materialism ' کی شکل اختیار کرتا ہے۔ مادیت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ کر جدلی مادیت بن جاتی ہے اور جیسے ڈارون کے نظریئے نے اخلاقیات' معاشرت' عمرانیات میں نفوذ کر رکھا ہے ——— اسی طرح مارکسزم کے نظریے نے انسان کے تصورِ اخلاق کی قدروں کو بدل کر رکھ دیا ہے' انسان کی تہذیب کے تصورات کو بدل کر رکھ دیا ہے مذہب اور دین کے عقائد کی بنیادیں ڈھا کر رکھ دی ہیں اور اپنے ماننے والوں کو مکمل طور پر دہریہ و ملحد بنا کر رکھ دیا ہے۔ انسان کے ماورائی عقائد اور اخلاقی قدریں اس فکر و نظریہ کے تحت آ کر بالکل نیا رخ اختیار کر گئی ہیں۔ الغرض اس تیسرے محاذ یعنی جاہلیت جدیدہ کی کوکھ سے بہت سے فتنے جنم لے چکے ہیں۔ ان سب کے خلاف محاذ آرائی کرنی ہوگی۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک کے مقابلے کے لیے ضرورت ہے کہ جید تا صلاحت نوجوان اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ باصلاحیت ہونے کے

ساتھ ساتھ وہ باہمت، محنتی اور کام میں غرق ہو جانے والے ہوں۔ ایسے نوجوانوں کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے۔ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ۔ "تم میں سے بہترین انسان وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں"۔ قرآن حکیم کے معارف وحِکَم سے خود بھی بہرہ مند ہوں اور خلقِ خدا کو بھی مستفید کریں" ـــ جاہلیتِ قدیمہ کا ابطال جیسا کہ میں نے عرض کیا محض ترجمۂ قرآن سے بھی ہو جائے گا۔ لیکن اس جاہلیتِ جدیدہ کے لیے قرآن حکیم میں غور و تدبر کرنا ہوگا۔ اس کے معانی ومفاہیم کے جواہر کی یافت کے لیے قرآن میں غوطہ زنی کرنی ہو گی۔

اسی کے لیے ایک طویل حدیث میں جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے الفاظ آئے ہیں۔ وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَآءُ وَلَا یَخْلَقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ۔ "علماء کبھی اس کتاب سے سیر نہ ہوسکیں گے نہ کثرت وتکرارِ تلاوت سے اس کے لطف وتاثیر میں کوئی کمی آئے گی۔ اور نہ ہی اس کے عجائبات یعنی نئے نئے علوم ومعارف کا خزانہ کبھی ختم ہو سکے گا"۔ قرآن مجید کی یہ تین شانیں نبی اکرمؐ نے اس حدیث میں بیان فرمائی ہیں ـــ اس میں سے آخری شان میری اس گفتگو سے بہت زیادہ متعلق ہے ـــ ایک ہیرے کی کان کا تصور کیجیے۔ جس میں کارکن لگے ہوئے ہیں اور ہیرے برآمد کر رہے ہیں لیکن ایک وقت آتا ہے کہ کان ختم ہو جاتی ہے اور ہیرے دستیاب نہیں ہوتے۔ لیکن قرآن ایسی معدن، ایسی کان نہیں ہے کہ جس کے متعلق کبھی یہ کہا جا سکے کہ حکمت کے موتی اب اس میں سے مزید نہیں نکل سکتے۔ لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ۔ قرآن تو اس اتھاہ سمندر کے مانند ہے کہ انسان جتنی گہرائیوں میں جائے گا اتنے ہی اعلیٰ درِّ شہوار نکال کر لائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیش جاری وساری رہے گا۔ اور ہر دور، ہر زمانے کے باطل نظریات کے ابطال کے لیے قرآن مجید سے ہدایت اور راہنمائی حاصل ہوتی رہے گی۔ لہٰذا اس دوسرے محاذ کے لیے بھی مورچہ قرآن کی شمشیر ہی ہاتھ میں لے کر لگانا ہے۔ موجودہ دور کے تمام باطل نظریات اور خدا ناآشنا افکار کے ابطال کے لیے

قرآن مجید میں نہایت قاطع براہین موجود ہیں، لیکن یہ ان جواہر اور دُرِّ شہوار کے مانند ہیں جو کسی کان یا سمندر میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے حصول کے لئے انسان کو محنت کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا اس کے لئے پِتّا مار کر محنت کرنی ہوگی اور قرآن کی حکمت کے سمندر میں غوطہ زنی کرنی ہوگی، جس کی گہرائی کو ناپنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں جس کے حِکَم و معارف لامتناہی ہیں اور جس سے ہر دور کے فتن کے استیصال اور ہر نوع کے باطل نظریات کے ابطال کے لئے محکم دلائل و براہین کے موتی ملتے رہیں گے، جیسا کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : لَاتَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ ـــــ پس اس دوسرے محاذ پر یعنی جاہلیتِ جدیدہ سے نبرد آزما ہونے کے لئے بھی ہمیں قرآن کی شمشیرِ بُرّاں لے کر صف آرا ہونا ہوگا۔ (جاری ہے)

❋❋❋❋❋

مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت کی نظر میں

مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج

مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شغف اور جدّوجہد کے نتیجے میں گذشتہ ساٹھ ستّر سال سے مخصوص انداز میں تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کا سلسلہ جاری ہے جس سے باخبر طبقہ بخوبی واقف ہے۔ اس محنت اور جدّوجہد کے پیچھے آپ محترم ہی کی فکر کارفرما ہے جو عرصۂ دراز کے تعامل سے مزید گہری اور پختہ ہوگئی ہے۔

مسلمانوں کے موجودہ زوال، انحطاط اور دین سے دوری بھی ایک طرح کی 'بیماری' ہے جس کا 'علاج' ہی دراصل آج امّت کے اکابرین کے لیے اہل کام ہے اور چونکہ نبی آخر الزماں محمد الرّسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی امّت کسی خاص خطّے، رنگ اور نسل اور زبان تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام روئے ارضی پر آباد نسلِ آدم علیہ السّلام پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس 'بیماری' کے 'علاج' کیلئے بھی نہ کوئی ایک ہی طریقِ علاج مطلوب ہے اور نہ کافی وشافی۔

مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ فکر اور استدلال کو مولانا محمد احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتابچے کی شکل دی تھی۔ ہمیں حیرت ہے کہ آج سے پون صدی قبل جبکہ ہر طرف انگریز کی غلامی کی ظلمت چھائی ہوئی تھی ایک مردِ خود آگاہ اور خدا مست نے امّتِ مسلمہ کی 'بیماری' کی کیسی صحیح تشخیص فرمادی کہ آج بھی اس پر کوئی اصولی اضافہ نہیں کیا جاسکتا ہے (جزوی اضافہ یا تعبیر کا فرق الگ بات ہے)۔ مزید برآں صحیح تشخیص کے بعد 'علاج' بھی تجویز فرمایا اور ایک اصولی رہنمائی دیدی۔

تحریر ہے: "اب جبکہ مقصدِ زندگی واضح ہوگیا اور اصل مرض اور اس کے معالجے کی نوعیت معلوم ہوگئی تو طریقِ علاج کی تجویز میں زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی۔ اس نظریئے کے ماتحت جو بھی علاج کا طریقہ اختیار کیا جائے گا انشاءاللہ نافع اور سود مند ہوگا۔"

کتنی بصیرت افروز ہے یہ حقیقت کہ جیسے ایک ماہر سرجن اور طبیب کا دوسرے معالج سے مرض کی نوعیت کے بارے میں اتفاق کے باوجود طریقِ علاج میں بالعموم اختلاف ہوتا ہے اور یہ ہمارا روزانہ کا تجربہ ہے۔ عین اسی طرح امّتِ مسلّمہ کے 'معالجین'، جو اکابرِ امّت ہیں ان میں طریقِ علاج اور جدّوجہد کی سمت کا فرق نہ غیر فطری ہے نہ پریشان کن۔

آں محترم کی کتنی عالی ظرفی ہے کہ جس طریق پر انہوں نے اپنی جماعت کو اٹھایا اور چلایا اس پر یقینِ کامل اور غیر متزلزل رسوخ کے باوجود 'دوسرے طریقِ علاج' کے لئے سینہ کشادہ رکھتے ہیں تحریر ہے:

"ہم نے اپنی نارسا فہم کے مطابق مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ایک نظامِ عمل تجویز کیا ہے جس کو فی الحقیقت اسلامی زندگی یا اسلاف کی زندگی کا نمونہ کہا جا سکتا ہے جس کا اجمالی نقشہ آپ کی خدمت میں پیش ہے:"

'بیماری' کی تشخیص میں علاوہ دیگر امور کے جس طرح 'نہی عن المنکر' کو اجاگر کیا گیا ہے۔ افسوس کہ وہ چیز آج اس مشن کے علمبرداروں میں نظر نہیں آتی۔ مثلاً حضرت ابو سعید خدری رض کی مشہور حدیث جس میں نہی عن المنکر کے تین درجے ہیں: ہاتھ سے بُرائی کا روکنا، زبان سے روکنا اور دل میں بُرا جاننا (اور خود رُکنا) اور یہ دل میں بُرا جاننا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اس کی وضاحت میں تحریر ہے۔ "اور یہ آخری صورت ایمان کی بڑی کمزوری کا درجہ ہے۔ پس جس طرح آخری درجہ اضعفِ ایمان کا ہوا اسی طرح پہلا درجہ

کمالِ دعوت اور کمالِ ایمان کا ہوا "یعنی برائی کا طاقت کے ذریعے روکنا۔
افادۂ عام کے لئے اس تحریر کا عکس اصل کتاب سے حاصل کر کے (ص۳ تا ص۲۳) شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ ط

آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال قبل جب، دنیا کفر و ضلالت، جہالت و سفاہت کی تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی بطحا کی سنگ لاخ پہاڑیوں سے رشد و ہدایت کا ماہتاب نمودار ہوا اور مشرق و مغرب شمال و جنوب غرض دنیا کے ہر ہر گوشہ کو اپنے نور سے منور کیا اور ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں بنی نوع انسان کو اس معراجِ ترقی پر پہنچایا کہ تاریخِ اسلام اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے اور رشد و ہدایت صلاح و فلاح کی وہ مشعل مسلمانوں کے ہاتھ میں دی جس کی روشنی میں ہمیشہ شاہراہِ ترقی پر گامزن رہے اور صدیوں اس شان و شوکت سے دنیا پر حکومت کی کہ ہر مخالف قوت کو ٹکرا کر پاش پاش ہونا پڑا۔ یہ ایک حقیقت ہے جو ناقابلِ انکار ہے لیکن پھر بھی ایک پارینہ داستان ہے جس کا بار بار دہرانا نہ تسلی بخش ہے، اور نہ کارآمد اور مفید۔ جبکہ موجودہ مشاہدات اور واقعات خود ہماری سابقہ زندگی اور ہمارے اسلاف کے، کارناموں پر بدنما داغ لگا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ زندگی کو جب تاریخ کے اوراق میں دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عزت و عظمت، شان و شوکت، دبدبہ و حشمت کے تنہا مالک اور اجارہ دار ہیں، لیکن جب ان اوراق سے نظر ہٹا کر موجودہ حالات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو ہم انتہائی ذلت و خواری افلاس و ناداری میں مبتلا نظر آتے ہیں نہ زور و قوت ہے نہ زر و دولت ہے نہ شان و شوکت ہے، نہ باہمی اخوت و الفت۔ نہ عادات اچھی نہ اخلاق اچھے نہ اعمال اچھے نہ کردار اچھے۔ ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور، اغیار ہماری اس زبوں حالی پر خوش ہیں اور

برملا ہماری کمزوری کو اچھالا جاتا ہے اور ہمارا مضحکہ اڑایا جاتا ہے اسی پر بس نہیں بلکہ خود ہمارے جگر گوشے نئی تہذیب کے دل دادہ نوجوانِ اسلام کے مقدس اصولوں کا مذاق اُڑاتے ہیں، بات بات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور اس شریعتِ مقدسہ کو ناقابلِ عمل، لغو اور بے کار گردانتے ہیں۔ عقل حیران ہے کہ جس قوم نے دنیا کو سیراب کیا وہ آج کیوں تشنہ ہے؟ جس قوم نے دنیا کو تہذیب و تمدن کا سبق پڑھایا۔ وہ آج کیوں غیر مہذب اور غیر متمدن ہے۔
رہنمایانِ قوم نے آج سے بہت پہلے ہماری اس حالتِ زار کا اندازہ لگایا اور مختلف طریقوں پر ہماری اصلاح کے لیے جدوجہد کی مگر ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج جب کہ حالت بد سے بدتر ہو چکی اور آنے والا زمانہ، ماسبق سے بھی زیادہ پرخطر اور تاریک نظر آرہا ہے۔ ہمارا خاموش بیٹھنا اور عملی جدوجہد نہ کرنا ایک ناقابلِ تلافی جرم ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم کوئی عملی قدم اٹھائیں ضروری ہے کہ ان اسباب پر غور کریں جن کے باعث ہم اس ذلت و خواری کے عذاب میں مبتلا کیے گئے ہیں۔ ہماری اس پستی اور انحطاط کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں اور ان کے ازالہ کی متعدد تدابیر اختیار کی گئیں لیکن ہر تدبیر ناموافق و ناکام ثابت ہوئی جس کے باعث ہمارے رہبر بھی یاس و ہراس میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اب تک ہمارے مرض کی تشخیص ہی پورے طور پر نہیں ہوئی یہ جو کچھ اسباب بیان کیے جاتے ہیں اصل مرض نہیں، بلکہ اس کے عوارض ہیں۔ پس تاوقتیکہ اصل مرض کی جانب توجہ نہ ہوگی اور مادۂ حقیقی کی اصلاح نہ ہوگی۔
عوارض کی اصلاح ناممکن اور محال ہے۔ پس جب تک کہ ہم اصل مرض کی ٹھیک تشخیص اور اس کا صحیح علاج معلوم نہ کرلیں۔ ہمارا اصلاح کے بارے میں لب کشائی کرنا سخت ترین غلطی ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری شریعت ایک مکمل قانونِ الٰہی ہے جو ہماری دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کا تاقیامِ قیامت ضامن ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم خود ہی اپنا مرض تشخیص کریں اور خود ہی اس کا علاج شروع کردیں۔ بلکہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآنِ حکیم

سے اپنا اصل مرض معلوم کریں اور اسی مرکزِ رشد و ہدایت سے طریقِ علاج معلوم کر کے اس پر کاربند ہوں۔ جب قرآنِ حکیم قیامت تک کے لیے مکمل دستور العمل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس نازک حالت میں ہماری رہبری سے قاصر رہے۔

مالکِ ارض و سما جل و علا کا سچا وعدہ ہے کہ رُوئے زمین کی بادشاہت و خلافت مومنوں کے لیے ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ (نور ع ۶)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیے کہ ان کو ضرور روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا اور یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ مومن ہمیشہ کفار پر غالب رہیں گے اور کافروں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

وَلَوْ قٰتَلَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝ فتح ع ۲

اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ پاتے کوئی یار و مددگار اور مومنوں کی نصرت اور مدد اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے اور وہی ہمیشہ سربلند اور سرفراز رہیں گے۔

وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ

اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی اور تم

وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (آل عمران ع ۱۴)

ہمّت مت ہارو اور رنج مت کرو۔ اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (منٰفقون ع ۱)

اور اللہ ہی کی ہے عزّت اور اس کے رسولؐ اور مسلمانوں کی۔

مذکورہ بالا ارشادات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عزّت، شان و شوکت سربلندی و سرفرازی اور ہر برتری و خوبی ان کی صفتِ ایمان کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر ان کا تعلق خدا اور رسولؐ کے ساتھ مستحکم ہے (جو ایمان کا مقصود ہے) تو سب کچھ ان کا ہے اور اگر خدانخواستہ اس رابطہ تعلق میں کمی اور کمزوری پیدا ہوگئی ہے تو پھر سراسر خسران اور ذلت و خواری ہے جیسا واضح طور پر بتلا دیا گیا۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش

تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ کرتے رہے۔

(العصر) ہمارے اسلاف عزّت کے منتہا کو پہنچے ہُوتے تھے اور ہم انتہائی ذلّت وخواری میں مُبتلا ہیں پس معلوم ہُوا کہ وہ کمالِ ایمان سے متّصف تھے اور ہم اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہیں جیسا کہ مخبرِ صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔

سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَىٰ مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا مِنَ الْقُرْاٰنِ إِلَّا رَسْمُهٗ۔ یعنی قریب ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا۔ اور قرآن کے صرف نقوش رہ جائیں گے۔

اب غور طلب امر یہ ہے اگر واقعی ہم اس حقیقی اسلام سے محروم ہو گئے جو خُدا اور رسولؐ کے یہاں مطلوب ہے اور جس کے ساتھ ہماری دین و دنیا کی فلاح و بہبود وابستہ ہے تو کیا ذریعہ ہے جس سے وُہ کھوئی نعمت واپس آئے؟ اور وُہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے رُوحِ اسلام ہم میں سے نکال لی گئی اور ہم جسدِ بے جان رہ گئے۔

جب مصحفِ آسمانی کی تلاوت کی جاتی ہے اور "امتہ محمدیہ" کی فضیلت اور برتری کی علّتِ غایت ڈھونڈی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اِس امت کو ایک اعلیٰ اور برتر کام سپرد کیا گیا تھا جس کی وجہ سے "خیرالامم" کا معزّز خطاب اس کو عطا کیا گیا۔

دنیا کی پیدائش کا مقصدِ اصلی خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات و صفات کی معرفت ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک بنی نوع انسان کو بُرائیوں اور گندگیوں سے پاک کر کے بھلائیوں اور خوبیوں کے ساتھ آراستہ نہ کیا جائے۔ اسی مقصد کے لیے ہزاروں رسولؑ اور نبی بھیجے گئے اور آخر میں اس مقصد کی تکمیل کے لیے سیّد الانبیاء والمرسلینؐ کو مبعوث فرمایا اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کا مژدہ سنایا گیا۔

اب چونکہ مقصد کی تکمیل ہو چکی تھی ہر بھلائی اور بُرائی کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا تھا۔ ایک مکمل نظامِ عمل دیا جا چکا تھا۔ اس لیے رسالت و نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔ اور جو کام پہلے نبی اور رسول سے لیا جاتا تھا وہ قیامت تک "اُمتہ محمدیہ" کے سپرد کر دیا گیا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ اے اُمّتِ محمدیہ! تم افضل اُمّت ہو تم کو لوگوں کے نفع کے لیے بھیجا گیا ہے تم بھلی

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط
(آل عمران ع ۱۲)

باتوں کو لوگوں میں پھیلاتے ہو اور بُری باتوں سے ان کو روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o
(آل عمران ع ۱۱)

اور چاہیے کہ تم میں ایسی جماعت ہو کہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بھلی باتوں کا حکم کرے اور بُری بُری باتوں سے منع کرے اور صرف وہی لوگ فلاح والے ہیں جو اس کام کو کرتے ہیں۔

پہلی آیت میں "خیرِ اُمم" ہونے کی وجہ یہ تبلائی کہ تم بھلائی کو پھیلاتے ہو اور برائی سے روکتے ہو دوسری آیت میں حصر کے ساتھ فرمادیا کہ فلاح وبہبود صرف انہیں لوگوں کے لیے ہے جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ دوسری جگہ صاف طور پر بیان کردیا کہ اس کام کو انجام نہ دینا لعنت اور پھٹکار کا موجب ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ o كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ o (مائدہ ع ۱۱)

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریمؑ کی زبان سے یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے جو بُرا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے۔ واقعی ان کا یہ فعل بے شک بُرا تھا۔

اس آخری آیت کی مزید وضاحت احادیث ذیل سے ہوتی ہے۔

(۱) وَفِي السُّنَنِ وَالْمُسْنَدِ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ اِذَا عَمِلَ الْعَامِلُ فِيْهِمْ بِالْخَطِيْئَةِ جَآءَهُ النَّاهِيْ تَعْزِيْرًا فَقَالَ يَا هٰذَا اتَّقِ اللّٰهَ فَاِذَا كَانَ مِنَ

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں جب کوئی خطا کرتا تو روکنے والا اس کو دھمکاتا اور کہتا کہ خدا سے ڈر پھر اگلے ہی دن اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا، کھاتا پیتا۔ گویا کل

الْغَدِ جَالَسَهٗ وَاَكَلَهٗ وَشَارَبَهٗ كَاَنَّهٗ لَمْ يَرَهٗ عَلٰى خَطِيْئَةٍ بِالْاَمْسِ فَلَمَّا رَاٰى عَزَّوَجَلَّ ذٰلِكَ مِنْهُمْ ضَرَبَ بِقُلُوْبِ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ لَعَنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِمْ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَتَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰى يَدِ السَّفِيْهِ وَلَتَاْطِرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا اَوْلَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ يَلْعَنُكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ ۔

(۲) وَفِيْ سُنَنِ اَبِيْ دَاوٗدَ ابْنِ مَاجَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَمُوْتُوْا

(۳) وَرَوَى الْاَصْبَهَانِيُّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزَالُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا وَتَرُدُّ عَنْهُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَةَ مَالَمْ يَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّهَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْاِسْتِخْفَافُ بِحَقِّهَا قَالَ يَظْهَرُ

اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں، جب حق عز وجل نے ان کا یہ برتاؤ دیکھا تو بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ خلط کر دیا اور ان کے نبی داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریم علیہما السلام کی زبانی ان پر لعنت کی اور یہ اس لیے کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا۔ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے تم ضرور اچھی باتوں کا حکم کرو اور بُری باتوں سے منع کرو اور چاہیے کہ بیوقوف نادان کا ہاتھ پکڑو و اس کو حق بات پر مجبور کرو ورنہ حق تعالیٰ تمہارے قلوب کو بھی خلط ملط کر دیں گے اور پھر تم پر بھی لعنت ہو گی جیسا کہ پہلی امتوں پر لعنت ہوئی۔

(۲) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس کو نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ اپنا عذاب بھیج دیتے ہیں یعنی دنیا ہی میں ان کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے

(۳) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اپنے پڑھنے والے کو نفع

اَلْعَمَلُ بِمَعَاصِی اللّٰهِ فَلَا یُنْکَرُ وَلَا یُغَیَّرُ۔

(ترغیب)

دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا دور کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق کی بے پروائی نہ برتی جاتے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اس کے حقوق کی بے پروائی کیا ہے؟ حضور اقدس ؐ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کھلے طور پر کی جائے پھر نہ ان کا انکار کیا جائے اور نہ ان کے بند کرنے کی کوشش کی جائے۔

۴ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَفْتُ فِیْ وَجْهِهٖ اَنْ قَدْ حَضَرَهٗ شَیْءٌ فَتَوَضَّاَ وَمَا کَلَّمَ اَحَدًا فَلَصِقْتُ بِالْحُجْرَةِ اَسْتَمِعُ مَا یَقُوْلُ فَقَعَدَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ وَقَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَکُمْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ قَبْلَ اَنْ تَدْعُوْا فَلَا اُجِیْبَ لَکُمْ وَتَسْاَلُوْنِیْ فَلَا اُعْطِیَکُمْ وَتَسْتَنْصِرُوْنِیْ فَلَا اَنْصُرَکُمْ فَمَا زَادَ عَلَیْهِنَّ حَتّٰی نَزَلَ۔

(ترغیب)

(۴) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضورِ اقدس ؐ نے کسی سے کوئی بات نہیں کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے میں مسجد کی دیوار سے لگ گئی تاکہ کوئی ارشاد ہو اس کو سنوں۔ حضورِ اقدس منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا "لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ حضورِ اقدس نے صرف یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے اُتر گئے۔

۵۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضـ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِی الدُّنْیَا نُزِعَتْ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے

مِنْهَا هَيْبَةُ الْإِسْلَامِ وَإِذَا تَرَكَتِ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ بَرَكَةُ الْوَحْيِ وَإِذَا تَسَابَّتْ أُمَّتِيْ سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللّٰهِ۔

(کذا فی الدر عن الحکیم الترمذی)

کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری اُمت دنیا کو قابلِ وقعت و عظمت سمجھنے لگے گی تو اسلام کی وقعت و ہیبت انکے قلوب سے نکل جائے گی۔ اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہوجائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو سب و شتم کرنا اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہٗ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

احادیث مذکورہ پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑنا خدا وحدہٗ لاشریک کی لعنت اور غضب کا باعث ہے اور جب امتِ محمدیہ اس کام کو چھوڑ دے گی تو سخت مصائب و آلام اور ذلت و خواری میں مبتلا کر دی جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نصرت و مدد سے محروم ہو جائے گی اور یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ اُس نے اپنے فرضِ منصبی کو نہیں پہچانا اور جس کام کی انجام دہی کی ذمہ دار تھی اس سے غافل رہی یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ایمان کا خاصّہ اور جزءِ لازمی قرار دیا اور اس کے چھوڑنے کو ایمان کے ضعف و اضمحلال کی علامت بتلایا۔ حدیث ابوسعید خدریؓ میں ہے۔ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ۔

یعنی تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھوں سے کام لے کر اس کو دور کرے اور اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو دل سے۔ اور یہ آخری صورت ایمان کی بڑی کمزوری کا درجہ ہے پس جس طرح آخری درجہ اضعف ایمان کا ہوا۔ اسی طرح پہلا درجہ کمالِ دعوت اور کمالِ ایمان کا ہوا۔ اس سے بھی واضح تر حدیث ابن مسعودؓ کی ہے۔ مَا مِنْ نَّبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ قَبْلِيْ

اِلَّاکَانَ لَہٗ فِیْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَ اَصْحَابٌ یَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَ یَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَ مَنْ جَاھَدَھُمْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِقَلْبِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ (مسلم) یعنی سُنّتِ الٰہی یہ ہے کہ ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت یافتہ یاروں کی ایک جماعت چھوڑ جاتا ہے یہ جماعت نبی کی سنت کو قائم رکھتی ہے اور ٹھیک ٹھیک اس کی پیروی کرتی ہے یعنی شریعتِ الٰہی کو جس حال اور جس شکل میں نبی چھوڑ گیا ہے۔ اس کو بعینہٖ محفوظ رکھتے ہیں اور اس میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیتے لیکن اس کے بعد شر و فتن کا دور آتا ہے اور ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو طریقۂ نبی سے ہٹ جاتے ہیں انکا فعل ان کے دعوے کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے شریعت نے حکم نہیں دیا سو ایسے لوگوں کے خلاف جس شخص نے قیامِ حق و سنّت کی راہ میں اپنے ہاتھ سے کام لیا وہ مومن ہے اور جو ایسا نہ کر سکا مگر زبان سے کام لیا وہ بھی مومن ہے اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکا اور دل کے اعتقاد او نیّت کے ثبات کو ان کے خلاف کام میں لایا وہ بھی مومن ہے لیکن اس آخری درجہ کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں اس پر ایمان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے حتّٰی کہ اب رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔

اس کام کی اہمیّت اور ضرورت کو امام غزالیؒ نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے:۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رُکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں۔ اس کو انجام دینے کے لیے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کرامؑ کو مبعوث فرمایا اگر خدانخواستہ اس کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور اس کے علم و عمل کو ترک کر دیا جائے تو العیاذ باللہ نبوت کا بیکار ہونا لازم آئے گا۔ دیانت جو شرافتِ انسانی کا خاصہ ہے مضمحل اور افسردہ ہو جائے گی۔ کاہلی اور سستی عام ہو جائے گی۔ گمراہی اور ضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی۔ جہالت عالمگیر ہو جائے گی۔ تمام کاموں میں خرابی آجائے گی، آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، آبادیاں خراب ہو جائیں گی۔ مخلوق تباہ

و برباد ہوجائے گی اور اس تباہی اور بربادی کی اس وقت خبر ہوگی جب روزِ محشر کو خدائے بالا و برتر کے سامنے پیشی اور بازپرس ہوگی"۔

افسوس صد افسوس! جو خطرہ تھا وہ سامنے آگیا، جو کھٹکا تھا آنکھوں نے دیکھ لیا۔ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۝ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

اس سربسز ستون کے علم و عمل کے نشانات مٹ چکے، اس کی حقیقت و رسوم کی برکتیں نیست و نابود ہوگئیں لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سکہ قلوب پر جم گیا۔ خدائے پاک کے ساتھ قلبی تعلق مٹ چکا اور نفسانی خواہشات کے اتباع میں جانوروں کی طرح بے باک ہوگئے۔ روئے زمین پر ایسے صادق مومن کا ملنا دشوار و کمیاب ہی نہیں بلکہ معدوم ہو گیا جو اظہارِ حق کی وجہ سے کسی کی ملامت گوارا کرے۔

اگر کوئی مردِ مومن اس تباہی اور بربادی کے ازالہ میں سعی کرے اور اس سنّت کے احیاء میں کوشش کرے اور اس مبارک بوجھ کو لے کر کھڑا ہو اور آستینیں چڑھا کر اس سنّت کے زندہ کرنے کے لیے میدان میں آئے تو یقیناً وہ شخص تمام مخلوق میں ایک ممتاز اور نمایاں ہستی کا مالک ہوگا۔

امام غزالیؒ نے جن الفاظ میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا ہے وہ ہماری تنبیہ اور بیداری کے لیے کافی ہیں

ہمارے اس قدر اہم فریضہ سے غافل ہونے کی چند وجوہ معلوم ہوتی ہیں:۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس فریضہ کو علماء کے ساتھ خاص کرلیا۔ حالانکہ خطاباتِ قرآنی عام ہیں جو امتِ محمدیہ کے ہر ہر فرد کو شامل ہیں اور صحابۂ کرام اور خیر القرون کی زندگی اس کے لیے شاہدِ عدل ہے:۔

فریضۂ تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو علماء کے ساتھ خاص کرلینا اور پھر ان کے بھروسہ پر اس اہم کام کو چھوڑ دینا ہماری سخت نادانی ہے۔ علماء کا کام راہِ حق بتلانا اور سیدھا راستہ دکھلانا ہے پھر اس کے موافق عمل کرانا اور مخلوقِ خدا کو اس پر چلانا یہ دوسرے لوگوں کا کام ہے اس کی جانب اس حدیث شریف میں تنبیہ کی گئی ہے۔

اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ
مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ
فَالْاَمِيْرُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ
رَاعٍ عَلَيْهِمْ وَهُوَ
مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ وَالرَّجُلُ
رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ
وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْاَةُ
رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ
بَعْلِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ
مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ وَالْعَبْدُ
رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ
وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ
فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ
مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

بیشک تم سب کے سب نگہبان ہو
اور تم سب اپنی رعیت کے بارے
میں سوال کیے جاؤ گے۔ پس بادشاہ
لوگوں پر نگہبان ہے وہ اپنی رعیت
کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور
مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے، اور
اس سے ان کے بارے میں سوال کیا
جاوے گا اور عورت اپنے خاوند کے
گھر اور اولاد پر نگہبان ہے وہ ان کے
بارے میں سوال کی جاوے گی اور غلام
اپنے مالک کے مال پر نگہبان ہے، وہ
اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائیگا۔
پس تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی
رعیت کے بارے میں سوال کیا جاویگا۔

اور اسی کو واضح طور پر اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قَالَ الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ
قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ
وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ
الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ
(مسلم)

حضور اقدسؐ نے فرمایا دین سراسر
نصیحت ہے (صحابہؓ نے) عرض کیا کس
کے لیے۔ فرمایا اللہ کے لیے اور اللہ
کے رسولؐ کے لیے اور مسلمانوں کے
مقتداؤں کے لیے اور عام مسلمانوں کیلیے

اگر بفرضِ محال مان بھی لیا جائے کہ یہ علماء کا کام ہے تب بھی اس وقت فضاء کا مقتضٰی یہی ہے کہ ہر شخص اس کام میں لگ جائے اور اعلاءِ کلمۃ اللہ اور حفاظتِ دینِ متین کے لیے کمر بستہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر ہم خود اپنے ایمان میں پختہ ہیں

تو دوسروں کی گمراہی ہمارے لیے نقصان دہ نہیں جیساکہ اس آیت شریفہ کا مفہوم ہے۔

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ	اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں
(مائدہ۔ ع ۱۴)	(بیان القرآن)

لیکن درحقیقت آیت سے یہ مقصود نہیں جو ظاہر میں سمجھا جا رہا ہے اس لیے کہ یہ معنی حکمتِ خداوندیہ اور تعلیماتِ شرعیہ کے بالکل خلاف ہیں۔ شریعتِ اسلامی نے اجتماعی زندگی اور اجتماعی اصلاح اور اجتماعی ترقی کو اصل بتلایا ہے اور امتِ مسلمہ کو بمنزلہ ایک جسم کے قرار دیا ہے کہ اگر ایک عضو میں درد ہو جائے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بنی نوع انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے اور کمال کو پہنچ جائے اس میں ایسے لوگوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو سیدھے راستے کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہوں تو آیت میں مومنوں کے لیے تسلی ہے کہ جب تم ہدایت اور صراطِ مستقیم پر قائم ہو تو تم کو ان لوگوں سے مضرت کا اندیشہ نہیں جنہوں نے بھٹک کر سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔

نیز اصل ہدایت یہ ہے کہ انسان شریعتِ محمدیہ کو مع تمام احکام کے قبول کرے اور منجملہ خداوندی احکام کے ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّیْقِ رضی اللہ عنہ قَالَ اَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمْ تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے لوگو! تم یہ آیت یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ پیش کرتے ہو اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے

اِذَا اهْتَدَيْتُمْ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ اَوْشَكَ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ

ہوئے سُنا ہے کہ جب لوگ خلافِ شرع کسی چیز کو دیکھیں اور اس میں تغیر نہ کریں تو قریب ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے عمومی عذاب میں مبتلا فرما دے۔

علماء محققین نے بھی آیت کے یہی معنی لیے ہیں۔ امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:۔

"علماء محققین کا صحیح مذہب اس آیت کے معنی میں یہ ہے کہ جب تم اس چیز کو ادا کر دو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے تو تمہارے غیر کی کوتاہی تمہیں مضرت نہ پہنچائے گی جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اور جب ایسا ہے تو منجملہ ان اشیاء کے جن کا حکم دیا گیا امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے پس جب کسی شخص نے اس حکم کو پورا کر دیا اور مخاطب نے اس کی تعمیل نہ کی تو اب ناصح پر کوئی عتاب اور سرزنش نہیں، اس لیے کہ جو کچھ اس کے ذمہ واجب تھا وہ امر و نہی ہے اس نے اس کو ادا کر دیا۔ دوسرے کا قبول کرنا اس کے ذمے نہیں۔ واللہ اعلم"۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عوام و خواص، عالم و جاہل ہر شخص اصلاح سے مایوس ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب مسلمانوں کی ترقی اور ان کا عروج ناممکن اور دشوار ہے جب کسی شخص کے سامنے کوئی اصلاحی نظام پیش کیا جاتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے، کہ مسلمانوں کی ترقی اب کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ان کے پاس نہ سلطنت و حکومت ہے نہ مال و زر اور نہ سامانِ حرب اور نہ مرکزی حیثیت، نہ قوتِ بازو، اور نہ باہمی اتفاق و اتحاد۔

بالخصوص دیندار طبقہ تو بزعم خود یہ طے کر چکا ہے کہ اب چودھویں صدی ہے

زمانۂ رسالت کو بُعد ہو چکا۔ اب اسلام اور مسلمانوں کا انحطاط ایک لازمی شے ہے، پس اس کے لیے جدّوجہد کرنا عبث اور بیکار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جس قدر مشکوٰۃ نبوت سے بُعد ہوتا جائے گا۔ حقیقی اسلام کی شعاعیں ماند پڑتی جائیں گی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقاءِ شریعت اور حفاظتِ دینِ محمّدی کے لیے جدّوجہد اور سعی نہ کی جائے اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا اور ہمارے اسلاف بھی خدانخواستہ یہی سمجھ لیتے تو آج ہم تک اس دین کے پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی البتہ جب کہ زمانہ ناموافق ہے تو رفتارِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے زیادہ ہمّت اور استقلال کے ساتھ اس کام کو لیکر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔

تعجّب ہے کہ جو مذہب سراسر عمل اور جدّوجہد پر مبنی تھا۔ آج اس کے پیرو عمل سے یکسر خالی ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں جگہ جگہ عمل اور جہد کا سبق پڑھایا اور بتلایا ہے کہ ایک عبادت گذار تمام رات نفل پڑھنے والا، دن بھر روزہ رکھنے والا، اللہ اللہ کرنے والا ہرگز اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو دوسروں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر میں بے چین ہو۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ جہادِ فی سبیل اللہ کی تاکید کی اور مُجاہد کی فضیلت اور برتری کو نمایاں کیا۔

لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ	برابر نہیں وہ مسلمان جو بلاکسی عذر کے
الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ	گھر میں بیٹھے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ
وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِى سَبِيْلِ	میں اپنے مال وجان سے جہاد کریں اللہ
اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط	تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ
فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ	بلند کیا ہے جو اپنے مال وجان سے جہاد
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	کرتے ہیں بہ نسبت گھر بیٹھنے والوں کے
عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ط	اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا
وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط	وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین
وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ	کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے اجر

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًاۙ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةًؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء ع ۱۴) | عظیم دیا ہے یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت، اور اللہ بڑی مغفرت اور رحمت والے ہیں۔

اگرچہ آیت میں جہاد سے مراد کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا ہے تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو لیکن اگر بدقسمتی سے آج ہم اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم ہیں تو اس مقصد کے لیے جس قدر جدّوجہد ہماری مقدرت اور استطاعت میں ہے۔ اس میں تو ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ پھر ہماری یہی معمولی حرکت عمل اور جدّوجہد ہمیں کشاں کشاں آگے بڑھائے گی وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لیے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لیے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دینِ محمدی کی بقا اور تحفظ کا حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، لیکن اس کے لیے ہمارا عمل اور سعی مطلوب ہے۔ صحابۂ کرام نے اس کے لیے جس قدر انتھک کوشش کی اسی قدر ثمرات بھی مشاہدہ کیے اور غیبی نصرت سے سرفراز ہوئے، ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں اگر اب بھی ہم ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اشاعتِ اسلام کے لیے کمربستہ ہو جائیں تو یقیناً ہم بھی نصرتِ خداوندی اور امدادِ غیبی سے سرفراز ہوں گے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ یعنی اگر تم خدا کے دین کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم خود ان باتوں کے پابند نہیں اور اس منصب کے اہل نہیں تو دوسروں کو کس منہ سے نصیحت کریں لیکن یہ نفس کا صریح دھوکہ ہے جب ایک کام کرنے کا ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہم اس کے مامور ہیں تو پھر ہمیں اس میں پس و پیش کی گنجائش نہیں۔ ہمیں خدا کا حکم سمجھ کر کام شروع کر دینا چاہیے۔ پھر انشاء اللہ یہی جدّوجہد ہماری پختگی، استحکام اور استقامت

کا باعث ہو گی اور اسی طرح کرتے کرتے ایک دن تقرب خداوندی کی سعادت نصیب ہو جائے گی یہ ناممکن اور محال ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کام میں جدّ وجہد کریں. اور وہ رحمٰن ورحیم ہماری طرف نظر کرم نہ فرمائے۔ میرے اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ رض قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ لَا نَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ حَتّٰى نَعْمَلَ بِهٖ كُلِّهٖ وَلَا نَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى نَجْتَنِبَهٗ كُلِّهٖ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَاِنْ لَّمْ تَعْمَلُوْا بِهٖ كُلِّهٖ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاِنْ لَّمْ تَجْتَنِبُوْهُ كُلِّهٖ

(رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک خود تمام برائیوں سے نہ بچیں حضورؐ اقدس نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگرچہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ جگہ جگہ مدارس دینیہ کا قائم ہونا، علماء کا وعظ ونصیحت کرنا، خانقاہوں کا آباد ہونا، مذہبی کتابوں کا تصنیف ہونا۔ رسالوں کا جاری ہونا، یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے شعبے ہیں اور ان کے ذریعہ اس فریضہ کی ادائیگی ہو رہی ہے اس میں شک نہیں کہ ان سب اداروں کا قیام اور بقا بہت ضروری ہے اور ان کی جانب اعتناء اہم امور سے ہے اس لیے کہ دین کی جو کچھ تھوڑی بہت جھلک دکھائی دے رہی ہے وہ انہی اداروں کے مبارک آثار ہیں لیکن پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو ہماری موجودہ ضرورت کے لیے یہ ادارے کافی نہیں اور ان پر اکتفاء کرنا ہماری کھلی غلطی ہے اس لیے کہ ان اداروں سے ہم اس وقت منتفع ہو سکتے ہیں جب ہم میں دین کا شوق اور طلب ہو اور مذہب کی وقعت اور عظمت ہو۔ اب سے پچاس سال پہلے ہم میں طلب اور شوق موجود تھا اور ایمانی

جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اس لیے ان اداروں کا قیام ہمارے لیے کافی تھا لیکن آج غیر اقوام کی انتھک کوششوں نے ہمارے اسلامی جذبات بالکل فنا کر دیئے اور طلب و رغبت کے بجائے آج ہم مذہب سے متنفر او ربیزار نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مستقل کوئی تحریک ایسی شروع کریں جس سے عوام میں دین کے ساتھ تعلق اور شوق و رغبت پیدا ہو اور ان کے سوئے ہوئے جذبات بیدار ہوں، پھر ہم ان اداروں سے ان کی شان کے مطابق منتفع ہو سکتے ہیں ورنہ اسی طرح اگر دین سے بے رغبتی اور بے اعتنائی بڑھتی گئی تو ان اداروں سے انتفاع تو درکنار ان کی بقا بھی دشوار نظر آتی ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اس کام کو لے کر دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو وہ بری طرح پیش آتے ہیں اور سختی سے جواب دیتے ہیں اور ہماری توہین و تذلیل کرتے ہیں لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کام انبیاء کرام کی نیابت ہے اور ان مصائب اور مشقتوں میں مبتلا ہونا اس کام کا خاصہ ہے اور یہ سب مصائب و تکالیف بلکہ اس سے بھی زائد انبیاء کرام نے اس راہ میں برداشت کیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ حجر ع ۱	ہم بھیج چکے ہیں رسول تم سے پہلے اگلے لوگوں کے گروہوں میں اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا، مگر یہ اس کی ہنسی اڑاتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دعوتِ حق کی راہ میں جس قدر مجھ کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا ہے، کسی نبی اور رسول کو نہیں کیا گیا۔

پس جب سردارِ دو عالم ﷺ اور ہمارے آقا و مولیٰ نے ان مصائب اور مشقتوں کو تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کیا تو ہم بھی ان کے پیرو ہیں اور انہی کا کام لے کر کھڑے ہوئے ہیں ہمیں بھی ان مصائب سے پریشان نہ ہونا چاہیے، اور تحمل اور بردباری کے ساتھ ان کو برداشت کرنا چاہیے۔

ماسبق سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ ہمارا اصل مرض رُوحِ اسلامی اور حقیقتِ ایمانی کا ضعف، اور اضمحلال ہے ہمارے اسلامی جذبات فنا ہوچکے اور ہماری ایمانی قوت زائل ہوچکی اور جب اصل شے میں انحطاط آگیا تو اس کے ساتھ جتنی خوبیاں اور بھلائیاں وابستہ تھیں ان کا انحطاط پذیر ہونا بھی لابدی اور ضروری تھا اس ضعف اور انحطاط کا سبب اس اصل شے کا چھوڑ دینا ہے جس پر تمام دین کی بقا اور دارومدار ہے اور وہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک اس کے افراد خیر ہوں اور کمالات سے آراستہ نہ ہوں۔

پس ہمارا علاج صرف یہ ہے کہ ہم فریضۂ تبلیغ کو اس طرح لے کر کھڑے ہوں جس سے ہم میں قوتِ ایمانی بڑھے اور اسلامی جذبات ابھریں۔ ہم خدا اور رسولؐ کو پہچانیں اور احکامِ خداوندی کے سامنے سرنگوں ہوں اور اس کے لیے ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو سیدالانبیاء والمرسلینؐ نے مشرکین عرب کی اصلاح کے لیے اختیار فرمایا:۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ط	بے شک تمہارے لیے رسول اللہؐ میں اچھی پیروی ہے۔

اسی کی جانب امام مالک رضی اللہ عنہ اشارہ فرماتے ہیں لَنْ یُّصْلِحَ اٰخِرَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَھَا یعنی اس امتِ محمدیہ کے آخر میں آنے والے لوگوں کی ہرگز اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس نے ابتدا میں اصلاح کی ہے۔

جس وقت نبیٔ کریمؐ دعوتِ حق لے کر کھڑے ہوئے، آپؐ تنہا تھے، کوئی آپؐ کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا، کوئی دنیوی طاقت آپؐ کو حاصل نہ تھی، آپؐ کی قوم میں خودسری اور خودرائی انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی تھی، ان میں سے کوئی حق بات سننے اور اطاعت کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ بالخصوص جس کلمۂ حق کی آپؐ تبلیغ کرنے کھڑے ہوئے تھے اس سے تمام قوم کے قلوب متنفر اور بیزار تھے، ان حالات میں کون سی طاقت تھی جس سے

ایک مفلس و نادار اور بے یار و مددگار انسان نے تمام قوم کو اپنی طرف کھینچا، اب غور کیجئے کہ وہ آخر کیا چیز تھی جس کی طرف آپؐ نے مخلوق کو بلایا اور جس شخص نے اس چیز کو پا لیا وہ پھر ہمیشہ کے لیے آپؐ کا ہو رہا، دُنیا جانتی ہے کہ وہ صرف ایک سبق تھا، جو آپ کا مطمح نظر اور مقصود اصلی تھا جس کو آپ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط
(آل عمران ع ۷)

بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو رب نہ قرار دے، خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔

اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کے سوا ہر شے کی عبادت اور اطاعت اور فرمانبرداری کی ممانعت کی اور اغیار کے تمام بندھنوں اور علاقوں کو توڑ کر ایک نظامِ عمل مقرر کر دیا اور بتلا دیا کہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف رُخ نہ کرنا۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ط
(اعراف۔ ع ۱)

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے آئی ہے، اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کا اتّباع مت کرو۔

یہی وہ اصل تعلیم تھی جس کی اشاعت کا آپؐ کو حکم دیا گیا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ

اے محمدؐ! بلاؤ لوگوں کو اپنے ربّ کے رستے کی طرف حکمت اور نیک نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کرو جس طرح بہتر ہو، بیشک تمہارا ربّ ہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو گمراہ ہو اس کی راہ سے، وہی خوب جانتا ہے راہ چلنے

اور یہی وہ شاہراہ تھی جو آپؐ اور آپؐ کے ہر پیرو کے لیے مقرّر کی گئی۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (یوسف ع ۱۲)

کہہ دو یہ ہے میرا راستہ، بلاتا ہوں، اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر، میں اور جتنے میرے تابع ہیں وہ بھی، اور اللہ پاک ہے، اور میں شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (حم سجدہ ۔ ع ۴)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے میں فرمانبرداروں میں سے ہُوں۔

پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی مخلوق کو بُلانا، بھٹکے ہُوؤں کو راہِ حق دکھلانا، گمراہوں کو ہدایت کا راستہ دکھلانا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وظیفۂ حیات اور آپؐ کا مقصدِ اصلی تھا اور اسی مقصد کی نشو و نما اور آبیاری کے لیے ہزاروں نبی اور رسول بھیجے گئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ (الانبیاء ع ۲)

اور ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول مگر اس کی جانب یہی وحی بھیجتے تھے کہ کوئی معبُود نہیں بجز میرے، پس میری بندگی کرو۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ اور دیگر انبیاء کرامؑ کے مقدس لمحاتِ زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مقصد اور نصب العین صرف ایک ہے، اور وہ اللہ ربّ العالمین وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات و صفات کا یقین کرنا یہی ایمان اور اسلام کا مفہوم ہے اور اسی لیے انسان کو دُنیا میں بھیجا گیا، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ یعنی ہم نے جنّات اور انسان

(باقی صـ ٦٩ پر)

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ ڈاکٹر اسرار احمد کے دروسِ قرآن کا سلسلہ

الہدیٰ

درس ۱۱، نشست ۵۲

مباحثِ عمل صالح

اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام

(سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۴۰ کی روشنی میں)

(۳)

نحمدہٗ و نصلّی علی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

وَ لَا تَقتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُہُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَہُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا ○ وَ لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَ سَآءَ سَبِیۡلًا ○ صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ ط۔

"اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی اور تنگ دستی کے خوف سے۔ ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی دے رہے ہیں اور دیں گے۔ یقیناً ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ یہ بہت بڑی بے حیائی اور بہت بری راہ ہے"۔

محترم حاضرین و معزز ناظرین...... میں نے آج آغاز میں 'سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۲ اور ۳۳ کی تلاوت کی ہے اور ان کا رواں و سلیس ترجمہ آپ کو سنایا ہے۔ ایام جاہلیت یعنی بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے قبل عرب میں یہ قبیح رواج تھا کہ پیدائش کے فوراً بعد اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے کہ ان کا خرچ کہاں سے لائیں گے! گویا معاشی محرکات ان کو قتلِ اولاد جیسے ظالمانہ فعل پر آمادہ کرتے تھے۔ یہاں افلاس کے خوف سے قتلِ اولاد سے روکا

گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ رزق کے ٹھیکے دار تم نہیں ہو بلکہ اس کی پوری ذمہ داری اللہ پر ہے۔ وہی تمہیں رزق دیتا ہے اور وہی تمہاری آئندہ نسلوں کو بھی کھلائے گا۔ اولاد کا قتل ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ گویا یہ فعل کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے کہ ہمارے اکثر علماء کرام نے معاشی محرکات کے تحت منع حمل کی تدابیر کو بھی طبعاً اسی 'نہی' کے حکم میں شامل قرار دیا ہے اور کسی حقیقی و ناگزیر طبی ضرورت کے علاوہ صرف معاشی محرکات کے پیش نظر اسقاطِ حمل کو واضح طور پر قتلِ اولاد کے گناہِ کبیرہ میں شمار کیا ہے۔

اب آیئے آیت نمبر ۳۲ کی طرف۔ اس آیۂ مبارکہ میں زنا کی جس شدت کے ساتھ ممانعت وارد ہو رہی ہے' وہ لفظ "لَا تَقْرَبُوْا" سے ظاہر ہے اس سے پہلے سورۃ الفرقان میں بھی ذکر آ چکا تھا۔ لیکن نوٹ کیجئے کہ وہاں الفاظ تھے' "وَلَا يَزْنُوْنَ" عباد الرحمٰن کے اوصاف میں سے ایک اعلیٰ وصف یہ بیان کیا گیا کہ "وہ زنا نہیں کرتے"...... لیکن یہاں اس کی تاکید (EMPHASIS) میں اضافہ ہوا ہے اور نہی کے اسلوب میں حکم فرمایا جا رہا ہے کہ "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى" "زنا کے قریب تک نہ پھٹکو"۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے معاشرتی اور سماجی نظام میں اس سماجی برائی (SOCIAL EVIL) کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کی گئی ہے...... اور واقعہ یہ ہے کہ بہت دور دور تک قدغنیں لگائی گئی ہیں تاکہ کوئی اس فحش اور بدکاری کے قریب تک نہ پھٹک سکے۔ اس لئے کہ ہمارے معاشرے میں ہمارے سماج میں عصمت و عفت اور پاک دامنی (CHAS-TITY) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی معاشرے میں ہر ممکن تدبیر اور احتیاط اختیار کی جائے گی کہ اس بدکاری کے جو محرکات ہو سکتے ہیں' اس کے جو اسباب ہو سکتے ہیں' جو اس کے داعیات ہو سکتے ہیں' ان سب کے لئے بند شیں ہوں' قدغنیں ہوں۔

اس کے ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ نوٹ کیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں بھی اور انجیل میں بھی یہ مضمون موجود ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اس لفظ زنا کی وسعت کو ظاہر کیا ہے کہ یہ مجرد وہ فعل نہیں ہے جو اس لفظ سے عام طور پر مراد لیا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں الفاظ آتے ہیں اَلزِّنَا مِنَ الْعَيْنِ آنکھوں کی بھی بدکاری ہے...... اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھوں کی بھی بدکاری ہے' پاؤں کی بھی

بد کاری ہے' زبانوں کی بھی بد کاری ہے' کانوں کی بھی بد کاری ہے..... حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے یہ تمام اعضاء و جوارح بد کاری میں اپنا اپنا حصہ ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام راستوں کو بند کیا گیا ہے جن کے باعث انسان کے اس جذبہ میں اشتعال و ہیجان پیدا ہو۔

اب میں چاہتا ہوں کہ ہم جائزہ لیں کہ یہ حقیقت پسندانہ ہدف معین کرنے کے بعد کہ ہمیں اپنے معاشرے میں عصمت و عفت اور آبرو کی حفاظت کا اہتمام کرنا ہے اور بد کاری کا سدّباب کرنا ہے تو کیا تدابیر اختیار کرنی ہوں گی۔ —— آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن مجید میں جو لفظ زنا آیا ہے اور جس نے ہمارے دین میں ایک اصطلاح کی شکل اختیار کر لی ہے تو انگریزی زبان میں "FORNICATION"، "ADULTERY' اور 'RAPE' ان تینوں الفاظ کا جو مدلول ہے وہ قرآن اور اسلام کی اصطلاح میں اس ایک لفظ زنا میں موجود ہے..... مقصد (OBJECTIVE) معین ہو گیا کہ اس کا استیصال کرنا ہے۔ اب دیکھنا ہو گا کہ اسلام میں اس کے لئے تدابیر کیا کیا اختیار کی گئی ہیں۔

سب سے پہلے مثبت تدابیر کو لیجئے۔ اہم ترین مثبت تدبیر ہے نکاح کو آسان بنانا۔ اس لئے کہ اگر نکاح مشکل ہے' ہزاروں لاکھوں روپے کے انتظام کے بغیر نکاح نہ ہو سکے تو ظاہر بات ہے کہ شہوت کے جبلّی تقاضے کی تسکین کے لئے بد کاری کی طرف رجحان ہو گا۔ جائز راستے کو جب تک کھولا نہ جائے' آسان نہ بنایا جائے تو جس طرح پانی کو بہاؤ کے لئے صحیح راستہ نہیں ملے گا' اس میں رکاوٹ ہو گی تو پانی ادھر ادھر سے اپنا راستہ بنا لے گا۔ اسی طرح جنسی جذبے کی آسودگی کے جائز راستوں کو مشکل بنا دیا جائے گا تو وہ ناجائز راستے تلاش کرے گا۔ لہٰذا اسلامی معاشرے میں زنا کے فعلِ قبیح کو روکنے والا اہم قدم تسہیلِ نکاح یعنی نکاح کو آسان بنانا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں نکاح کے لئے رسومات (RITUALS) کا کوئی طومار نہیں۔ نہ یہ کوئی نام و نمود کی نمائش اور دھوم دھڑکّے کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر ہمارے یہاں بدقسمتی سے جو کچھ ہوتا ہے وہ تو ایک ملغوبہ ہے کہ ہم نے کچھ چیزیں تو اسلام کی اختیار کیں اور چونکہ ہماری آبادی کی اکثریت ان ہندوؤں کی نسل سے تعلق رکھتی ہے جو ہندوستان میں آباد تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا یہ نو مسلم اپنی سابقہ رسومات' روایات اور رواجات بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ ہماری سماجی رسومات ایک کھچڑی ہے۔ ان میں

ہندوانہ رسومات بھی شامل ہیں اور کچھ اسلامی افعال واعمال کو بھی ہم نے ان میں داخل کر لیا ہے۔ ورنہ یہ دھوم دھڑکا' یہ جہیز دینے کی رسم اور یہ بارات کا تصور جیسے ایک لشکر کہیں فتح کرنے کے لئے جا رہا ہو اور پھر بہت سی دوسری لغو اور فضول رسومات یہ سب کچھ ہندوانہ پس منظر کی حامل چیزیں ہیں۔ اسلام کا معاملہ نہایت سادہ طریق پر ایجاب وقبول ہے۔ اسلام نے شادی کا جشن (CELEBRATION) لڑکے کے ذمہ رکھا ہے۔ وہ دعوت ولیمہ کرے اور اپنی وسعت کے مطابق اپنے اعزّہ واقارب اور احباب کو اپنی خوشیوں میں شامل کرے۔ پس پہلی چیز تو یہ ہے کہ نکاح کے راستے کو آسان بنایا جائے تاکہ کسی بھی نوجوان کا دھیان غلط رخ کی طرف نہ جائے۔

دوسرا مثبت طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ جنسی جذبہ کو ہیجان اور اشتعال دینے والی جتنی چیزیں ہیں ان کو سختی سے روک دیا گیا ہے۔ مثلاً شراب ہے' کون نہیں جانتا کہ یہ انسان کے جنسی داعیہ کو اکساتی ہے۔ بعض دوسری منشیات کا اثر بھی اسی طرح کا ہوتا ہے اسلام ان کو حرام قرار دیتا ہے تاکہ انسان بے خود ہو کر آپے سے باہر نہ ہو جائے اس کی خودی کی گرفت اس کے پورے وجود پر رہے۔ اس کا شعور معطل نہ ہو اور جنسی ہیجان سے شکست نہ کھا جائے۔ بلکہ ہر طرح سے بیدار رہے اسی طرح رقص اور موسیقی کا اسلامی معاشرے میں سدّباب کیا گیا ہے چونکہ یہ بھی جنسی جذبے میں ہیجان پیدا کرتی ہیں..... اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب تک ان چیزوں کا سدّباب نہیں ہو گا جن کے متعلق اسلام چاہتا ہے کہ معاشرے سے بیخ و بُن کی طرح اکھڑ جائیں اُس وقت تک زنا کی روک تھام ممکن نہیں ہو گی۔

اس سے آگے بڑھیۓ کہ اسلام اپنے معاشرے میں مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط کو پسند نہیں کرتا بلکہ مردوں اور عورتوں کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ دائرہ کار متعیّن کرتا ہے۔ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ جیسے سورۃ الاحزاب میں فرمایا۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی (آیت ۳۳) "اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور سابقہ دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو"۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ضرورت کے تحت بھی عورت گھر سے نہیں نکل سکتی۔ ضرورت کے تحت نکلنے کی اجازت ہے اس کے لئے بھی اسی سورۂ مبارکہ میں حکم موجود ہے یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ

(آیت ۵۹) "اپنے پورے وجود کو ایک چادر میں لپیٹ کر چہرے پر ایک پلو اس طرح لٹکا لیا کریں تاکہ راستہ آسانی سے دیکھ سکیں اور حجاب کا تقاضا بھی پورا ہو سکے۔ یہاں میں نے "ضرورت کے تحت" کی جس قید کا ذکر کیا ہے وہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لگائی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں روایت موجود ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قَدْ اَذِنَ اللّٰہُ لَکُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِکُنَّ "اللہ تعالیٰ نے تم (عورتوں) کو اجازت دی ہے تم اپنی ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہو"۔ اسی آیت مبارکہ میں بناؤ سنگار اور سج دھج کے ساتھ گھر سے نکلنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور اس فعل کو جاہلیت کا فعل قرار دیا گیا ہے۔

پھر اسی سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۳ میں اہلِ ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ان آیات کے اس حصے میں دو باتیں خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہیں' ایک یہ کہ اس میں لفظ حجاب آیا ہے جس کے معنی ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ "پردہ" کے ہیں دوسری یہ کہ یہ صحابہ کرامؓ سے فرمایا جا رہا ہے جن کے لئے ازواجِ مطہرات بمنزلہ روحانی ماں ہیں جو امّہات المؤمنین ہیں کہ ان سے بھی اگر کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگیں۔ یہ اسلوب اس بات پر صریح دلالت کر رہا ہے کہ اسلام معاشرتی نظام میں مردوں اور عورتوں کے مابین کیسی کیسی احتیاطیں ملحوظ رکھ رہا ہے۔ لہٰذا اسلام مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط کو روکتا ہے۔

اب آگے بڑھئے لباس کے سلسلے میں ہماری تہذیب و تمدن کی جو روایات بنی ہیں وہ یوں ہی نہیں بنیں۔ اسلام نے ستر کا تصور دیا ہے اور اس کے لئے مستقل احکام دیئے ہیں یعنی جسم کے وہ حصے جو ڈھکے رہنے چاہئیں مرد کا بھی ایک ستر ہے اور یہ انسان کی جبلّت و فطرت ہے۔ وحشی سے وحشی قبائل کو بھی آپ جا کر دیکھیں تو چاہے ان کا پورا جسم ننگ دھڑنگ ہو لیکن وہ پتّوں سے اپنے جسم کے کچھ حصّوں کو چھپاتے ہیں تو یہ تقاضۂ فطرت ہے۔ اسلام کی رو سے مرد کے جسم میں ناف سے لے کر گھٹنے کے نچلے حصہ تک کا حصہ مرد کا ستر ہے۔ اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑنی چاہئے۔ یہ ہر حال میں ڈھکا رہنا چاہئے۔ کسی بیٹے کے سامنے باپ کے جسم کا یہ حصہ نہیں کھلے گا۔ اسی طرح کسی بھائی کے سامنے اس کے بھائی کا یہ حصہ نہیں کھلے گا' یہ ستر ہے۔ اب عورت کے بارے میں دیکھئے۔ عورت کے بارے میں فرمایا گیا کہ "اس کا پورا جسم ستر ہے"۔ اسی لئے ہمارے یہاں عورتوں کے لئے لفظ استعمال ہوتا ہے مستورات۔ مستور ستر

سے بنا ہے اس کے معنی ہیں چھپی ہوئی شے۔ اس سے مستثنیٰ ہیں عورت کے جسم کے صرف تین حصے ' چہرے کی ٹکیہ ' ہاتھ اور ٹخنے سے نیچے پاؤں۔ یہ تین حصے ستر نہیں ہیں۔ باقی پورا جسم ستر ہے۔ سر بلکہ بال بھی ستر میں داخل ہیں ' اسی لئے میں نے " چہرے کی ٹکیہ ' کہا ہے۔ اب سمجھئے کہ ستر کے کیا معنی ہیں! یہ کہ عورت کے جسم کے ان تین حصوں کے سوا کسی اور حصے پر اس کے بھائی کی نگاہ بھی نہیں پڑنی چاہئے۔ یہ حصے تو ہر حال میں مستور رہیں گے۔ ستر سے آگے کا معاملہ شوہر اور بیوی کے لئے ہے۔ البتہ مرد و عورت میں سے کسی کا کسی اشد اور ناگزیر صورت حال میں ستر کا کوئی حصہ طبیب ' ڈاکٹر جرّاح کے لئے کھل سکتا ہے۔ باقی باپ ' بیٹا ' بھائی ' بہن ان سب کے لئے ستر ہے۔

اسی ستر کے ضمن میں عورت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ ایسا لباس جس سے بدن چھلکتا ہو یا اس کی رعنائیاں نمایاں ہوتی ہوں ستر نہیں ہے بلکہ ایسا لباس پہننے والی عورتوں کو حضورؐ نے " كَاسِيَاتٍ عَارِيَاتٍ " قرار دیا ہے یعنی لباس پہننے کے باوجود یہ عورتیں عریاں ہیں۔ صحیح بخاری میں اُمّ المؤمنین حضرت سلمہؓ سے ایک طویل روایت کے آخری الفاظ ہیں : رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنيا عارِيَةٌ فِي الأٰخِرَةِ " دنیا میں اکثر کپڑے پہننے والیاں آخرت میں عریاں ہوں گی "۔ اس حدیث کے اس حصہ کی رُو سے ایسے باریک اور ایسے چست کپڑے پہننے مراد ہیں جن سے جسم چھلکے یا عورت کی رعنائی کی چیزیں نمایاں ہوں۔ ایسی عورتوں کو کپڑے پہننے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگی قرار دیا ہے۔

ایک مزید چیز جو ہماری تہذیب کا جزو ہے ' وہ ہماری معاشرت میں قرآن مجید کے حکم کے مطابق داخل ہوئی ہے۔ چونکہ ہماری معاشرت ' ہماری تہذیب ' ہمارے تمدن کی اساسات کتاب اللہ میں موجود ہیں۔ اس کا تفصیلی ڈھانچہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہے۔ پھر وہ ہماری معاشرتی زندگی میں پیوست ہو گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے یہاں دوپٹہ کا تصوّر اور استعمال ہے وہ کہاں سے آیا ہے۔ یہ قرآن مجید کا حکم ہے۔ سورۂ نور میں فرمایا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ " اور عورتیں اپنے سینے پر اپنی چادروں کے آنچل ڈال لیا کریں یا بکل مار لیا کریں چاہے کسی خاتون نے کرتا پہنا ہوا اور وہ موٹا بھی ہے ڈھیلا بھی ہے۔ ستر تو ہو گیا ' جسم تو ڈھک گیا۔ لیکن ابھی مزید کی ضرورت ہے اور وہ دوپٹہ ہے ' اوڑھنی ہے جسے اوڑھ کر عورت کا سر ' سینہ ' کمر سب اچھی طرح ڈھک جائیں۔ اگرچہ اس دور میں مغربی تہذیب کے اثرات کی وجہ سے ہمارا تمدّن اس اعتبار سے ایک ملغوبہ بن رہا ہے کہ کچھ اسلامی اقدار بھی ہیں اور کچھ مغربی اقدار بھی آ گئی ہیں اس میں اس وقت ہمارے یہاں کچھ ہندووانہ رسوم ورواج بھی شامل ہیں تو ان سب کے امتزاج سے ہمارے معاشرے میں فی الوقت

ایک عجیب کھچڑی پکی ہوئی ہے۔ چنانچہ ہماری نوجوان لڑکیاں جس قسم کا دوپٹہ استعمال کرتی ہیں وہ اس حکم کے منشاء کو پورا نہیں کرتا بلکہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ گھر میں بھی یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ نوجوان لڑکی کا سینہ بغیر دوپٹے کے ہو۔ کون نہیں جانتا کہ عورت کے جسم میں سب سے زیادہ جاذبِ نظر اس کا سینہ ہوتا ہے۔ لہٰذا حکم دیا جارہا ہے کہ وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ پھر اسی سورۃ النّور کی آیت نمبر ۳۰ میں تمام اہلِ ایمان مردوں اور آیت نمبر ۳۱ کی ابتداء میں تمام مسلمان خواتین کو غضِّ بصر کا حکم دیا جارہا ہے۔ مردوں کے لئے فرمایا قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ "(اے نبیؐ) مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں"۔ عورتوں کے لئے فرمایا وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ "اور (اے نبی) مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں"۔ ان آیات میں غضِّ بصر سے مراد نگاہ بھر کر دیکھنے کی ممانعت ہے یعنی مرد بیوی کے علاوہ کسی محرم خاتون کو اور عورت شوہر کے علاوہ کسی محرم مرد کو بھی نگاہ بھر کر نہ دیکھے۔ جب محرموں کے نگاہ بھر کر دیکھنے کی ممانعت کی جارہی ہے تو غیر محرموں کے لئے خود بخود اس پابندی کا وزن بہت بڑھ جائے گا۔ اس قسم کی دیدہ بازی کو حدیث شریف میں آنکھ کے زنا سے تعبیر فرمایا ہے۔ ایک طویل روایت میں ہے اَلْعَیْنَانِ تَزْنِیَانِ وَزِنَا هُمَا النَّظَرُ "آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر ہے"۔ ایک اور مشہور حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخیلِ اتقیاء حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ "اے علی، کسی نامحرم پر اچانک اور بلاارادہ پہلی نگاہ پڑنی معاف ہے لیکن ارادتاً دوسری نگاہ ڈالنا قابلِ مواخذہ ہے" (او کما قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم)

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم دیکھیں کہ قرآن مجید ہمیں کیا احکام دے رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کیا ہیں۔ ان سب کے جو اثرات ہمارے تمدن پر مترتب ہوئے ہیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ مسلمان عورت کا ساتر لباس کیسے وجود میں آیا! مسلمانوں کے گھروں کی تعمیر کا کیا مزاج بنا۔ ! آج کل کے کوٹھی نما طرزِ تعمیر کے وجود کو پچاس سال ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ورنہ مسلمان چاہے امیر ہوتا تھا چاہے غریب۔ گھر خواہ بڑا ہوتا تھا خواہ چھوٹا۔ اس میں زنانہ اور مردانہ حصے علیٰحدہ علیٰحدہ ہوتے تھے۔ پہلے مردانہ حصہ آئے گا پھر ڈیوڑھی ہو گی اور اس ڈیوڑھی سے آگے زنانہ حصہ ہو گا اور زنانہ حصے کے صحن کے چاروں طرف تعمیر ہوتی تھی اسی فنِ تعمیر کا نام تھا

۔ مسلمانوں نے اسلام کی تعلیمات کے زیرِ اثر اپنے تمدن میں اس طرزِ تعمیر کو ترقی اور نشو و نما

(   ) دی ہے۔ الغرض اسلام نے محرکاتِ زنا کے سدّباب کے لئے جو اقدامات کئے ہیں ان میں سے چند کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان پابندیوں اور قدغنوں کا مقصود کیا ہے! وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ○

اب غور کیجئے کہ اس دور میں ایک طرف تو فرائڈ کا نظریہ ہے اور نفسیات کا کون سا طالب علم ہے جو نہیں جانتا کہ اس نے جنس کو کس قدر مؤثر عامل مانا ہے۔ انسانی زندگی کے تمام تفصیلی ڈھانچہ میں اس کے فلسفہ کی رُو سے جنسی جذبہ کہیں نہ کہیں کارفرما ہے اور کم و بیش اس کے اثرات موجود ہیں۔ حد یہ ہے کہ اس کے فلسفہ کے مطابق اگر ایک باپ اپنی چھوٹی بچی کو پیار کرتا ہے اور ایک ماں اپنے چھوٹے بچے کو گود میں لے کر اس کو چومتی ہے تو وہ اس کا محرک بھی جنس قرار دیتا ہے۔ اور دوسری طرف ہم اپنے آپ کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ اسلام میں حجاب و ستر کی یہ پابندیاں اور قدغنیں شاید ثقافت' تہذیب اور تمدن کے اعتبار سے پس ماندہ لوگوں کے لئے ہوں گی ۔ یہ ہمارا ایک علمی و فکری تضاد ہے۔ جو کچھ فرائڈ نے کہا ہے اگر اس کا دسواں حصہ بھی صحیح ہے چونکہ فرائڈ نے اپنا نظریہ اپنے تجربات و مشاہدات پر رکھا ہے اور یہ گمراہی ہے اور اس میں نہایت مبالغہ ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اگر اس کا دسواں حصہ بھی صحیح ہے تو جو نظام اسلام نے دیا ہے اس کے بغیر اس کی برائیوں کی روک تھام ممکن نہیں ہے۔

اب میں آخری بات عرض کروں گا کہ یہ مثبت اقدامات کرنے کے بعد اب اسلام منفی قدم اٹھاتا ہے اور وہ ہے تعزیر۔ ان پابندیوں اور قدغنوں کے باوجود اگر کوئی شخص گندگی میں منہ مارتا ہے' بدکاری میں ملوث ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے' اس کے اندر گندگی گھر کر چکی ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کے لئے سزا بہت سخت ہے۔ یہاں ایک فرق کیجئے انگریزی میں جسے   کہتے ہیں 'یعنی غیر شادی شدہ کسی مرد یا عورت کا اس قبیح فعل میں ملوث ہو جانا۔ اس کی اسلام نے سزا سو کوڑے رکھی ہے۔ لیکن انسان کی عقل و منطق تقاضا کرتی ہے کہ جو شادی شدہ ہونے کے باوجود اس فعل کا ارتکاب کرے تو اسے بہت سخت سزا ملنی چاہئے۔ غیر شادی شدہ کے لئے عقل و منطق کی رو سے کسی قدر رعایت کا معاملہ سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ اپنی جبلّت یا فطرت کے منہ زور تقاضے کو پورا کرنے کا کوئی جائز راستہ موجود نہیں ہے لہٰذا ایسا فرد غلط رخ پر پڑ گیا تو کچھ نرمی کا مستحق ہے لہٰذا ایسے افراد کے لئے سو کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی۔ لیکن شادی شدہ مرد و عورت کے لئے رجم کی سزا ہے۔ جن کو دینی اصطلاح میں "حد" کہا جاتا ہے یعنی ایسے افراد کو بر سرِ عام سنگسار کر دیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت سخت سزا ہے لیکن اس سزا کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ سب سے نمایاں حکمت تو یہ ہے کہ اس سزا سے پورا معاشرہ عبرت پکڑے اور اس قبیح

فعل کے ارتکاب سے مجتنب رہے۔ دوسری حکمت یہ نظر آتی ہے کہ شادی شدہ جوڑے میں باہمی محبت واعتماد کا رشتہ مضبوط رہے' تیسری حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حسب ونسب میں خلل واقع نہ ہو۔ البتہ یہاں یہ بات ذہن نشین کرنی ضروری ہے کہ زنا کی اتنی ہولناک سزا رکھنے کے ساتھ یہ شرط عائد کر دی گئی ہے کہ اس فعلِ قبیح کی شہادت دینے والے چار عینی گواہ موجود ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس فعل کو اس طور پر انجام دینا کہ چار چشم دید گواہ بھی موجود ہوں اس فعل کی شناعت و قباحت میں کئی گنا اضافہ کا باعث ہوتا ہے یہ گویا معاشرے کے لئے سرطان کے پھوڑے کے ذیل میں آتا ہے۔ جس سے معاشرے کو محفوظ رکھنے کے لئے لازمی ہے کہ اس کو بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکا جائے .... یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اسلام کی تاریخ میں رجم کی سزا اقراری مجرموں کو دی گئی ہے۔ یعنی ان افراد کو جن کے ضمیر نے اتنی ملامت کی کہ انہوں نے عذاب اخروی سے نجات پانے کے لئے اپنے اس گناہ کا اعتراف کر کے اس دنیا کی سزا قبول کر لی تاکہ وہ اس سزا کے بعد یہیں پاک ہو جائیں اور آخرت کی عقوبت سے بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے جملہ محرکات سے محفوظ ومامون رکھے۔●

بقیہ: مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج

کو صرف اِس لیے پیدا کیا ہے کہ بندہ بن کر زندگی بسر کریں۔

اب جبکہ مقصدِ زندگی واضح ہو گیا اور اصل مرض اور اس کے معالجہ کی نوعیت معلوم ہو گئی تو طریق علاج کی تجویز میں زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی اور اس نظریئے کے تحت جو بھی علاج کا طریقہ اختیار کیا جائے گا انشاء اللہ نافع اور سُود مند ہو گا۔

●●●

پلاٹ برائے فوری فروخت

۲۲ مرلے کا رہائشی / کمرشل پلاٹ ڈی سی روڈ گوجرانوالہ۔ آئیڈیل لوکیشن۔ قیمت نہایت مناسب۔

رابطہ: اقبال حسین - فون: ۸۵۲۶۸۳
۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

عام طور پر ہمارے یہاں

توحید علمی و نظری — یعنی — توحید فی العقیدہ

پر تو بہت زور دیا جاتا ہے، لیکن

توحیدِ عملی

پر کما حقہٗ توجہ نہیں دیجاتی

ڈاکٹر اسرار احمد

پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ زمر تا سورہ شوریٰ پر تدبر کے دوران

توحیدِ عملی کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں

یعنی: اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین کی فرضیت

کو خوب منکشف بھی فرمایا اور بیان کی توفیق بھی مرحمت فرمائی، اور

شیخ جمیل الرحمٰن کی محنت نے ان خطابات کو کتابی صورت دیدی

سائز ۱۸ × ۸/۲۲ ○ صفحات ۱۹۲ ○ عمدہ سفید کاغذ ○ دیدہ زیب کور

ھدیہ: ۱۵ روپے، علاوہ محصول ڈاک

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور: ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور ۱۴

ڈاکٹر ابصار احمد

اسلام اور سیکولرزم

ایک تحلیلی و تقابلی جائزہ

پچھلے دنوں سردار عبدالقیوم اور جسٹس جاوید اقبال کے مناقشے کے ضمن میں علامہ اقبال کے حوالے سے جو بحث اخبارات و جرائد کا موضوع بن رہی ہے' اس میں منجملہ دیگر متنازعہ فیہ امور کے ایک معاملہ سیکولرازم کے بارے میں جسٹس صاحب کی تعبیر کا بھی تھا. محترم جسٹس صاحب نے آئیڈیل سیکولرازم کی اصطلاح کے حوالے سے سیکولرازم کو مشرّف باسلام اور 'مشرّف باقبال' کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ ہمارے نزدیک مغالطہ آمیز ہے ۔ نہ تو اسلام اور سیکولرزم میں کوئی جوڑ اور توافق ممکن ہے اور نہ فکرِ اقبال کے ساتھ سیکولرزم کی نسبت درست! قارئین کو یاد ہوگا کہ تقریباً ۱۲ سال قبل بھی دانشوروں کے ایک مخصوص حلقے کی جانب سے اخباری کالموں کے ذریعے سیکولرزم کو اسلام سے ہم آہنگ ثابت کرنے کی ایک بھرپور کوشش ہوئی تھی ۔ اس موقع پر اس حلقے کے ترجمان پروفیسر وارث میر مرحوم تھے ۔ انہوں نے بھی اقبال اور خلیفہ عبدالحکیم کے نظریات کو اپنا مستدل اور مدار بنایا تھا. انہی دنوں محترم ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے اپنے ایک فکر انگیز مقالے میں' جو ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے زیر اہتمام ایک تقریب ' بیادِ خلیفہ عبدالحکیم ' ہی میں پڑھا گیا تھا، سیکولرزم کی اصطلاح کا ہمہ جہت تجزیہ کرتے ہوئے فکرِ اقبال اور فکرِ خلیفہ عبدالحکیم کی روشنی میں ٹھوس علمی انداز میں ان مغالطہ آمیز خیالات کی بھرپور تردید کی تھی جن کے پرچارک اس وقت پروفیسر صاحب مرحوم تھے اور اب انہی کی صدائے بازگشت جسٹس جاوید اقبال صاحب کے بیانات کی صورت

میں سنائی دے رہی ہے۔ یہ مقالہ حوالہ سے قبل مارچ ۸۷ء کے "حکمت قرآن" میں شائع ہو چکا ہے، افادۂ عام کے لئے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

اہلِ علم کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ مختلف تہذیبی، علمی اور ثقافتی الفاظ و تصورات ایک خاص روایت سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا ایک مخصوص زبان سے گہرا تعلق ہوتا ہے ۔ اور بالعموم ان کا مفہوم کسی دوسری زبان کے ایک لفظ میں کاملتاً منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ بالفاظِ دیگر اصطلاحات کے معانی و مفاہیم مختلف مباحث کے پس منظر (Context) میں یکساں نہیں رہتے۔ اور یہ حقیقت مختلف تہذیبوں اور نظامہائے افکار کے تقابلی مطالعے میں بدرجۂ اتم واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔

میں اس مقالے میں قدرے تفصیل سے اس امر کا جائزہ لوں گا کہ "ریلیجن" یعنی مذہب اور "سیکولرازم" کے الفاظ اور ان کے جملہ مفاہیم کی کیفیت اسلام کے بنیادی اصولِ فکر کے حوالے سے کیا رہتی ہے اور اس ضمن میں یہ بھی وضاحت کرنے کی کوشش کروں گا کہ آج کل بعض اصحابِ علم اور دانش ورکن مغالطوں کا شکار ہو کر اسلام اور سیکولرازم کے موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور بالکل غلط طور پر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کے افکار اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔[۱]

"ریلیجن" اور "سیکولرازم" کی مغربی فکر میں دوئی اور کسی حد تک نظری و فکری مخاصمت میرے خیال میں ناقابلِ تردید حد تک واضح ہے۔ "سیکولرازم" کی جو تعریف انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس مطبوعہ ۱۹۰۵ء (ایڈیٹر، جیمز ہیسٹنگز) میں دی گئی ہے اس کے مطابق انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں یورپ میں پیدا ہونے والی اس فکری تحریک کے پس پردہ مخصوص سیاسی اور فلسفیانہ محرکات تھے۔ اس کا نقطۂ نظر مذہب کے بارے میں اکثر و بیشتر منفی رہا ہے۔ انسانی زندگی اور ضابطۂ حیات کے بارے میں یہ ایک مکمل نظریہ ہے جس میں مذہبی

---

[۱] مثلاً پروفیسر وارث میر اپنے حالیہ سلسلۂ مضامین "نوید فکر" میں سیکولرازم اور جدیدیت کی حمایت کرتے ہوئے خلیفہ عبدالحکیم کو اپنا مؤید اور ہم خیال تصور کرتے ہیں۔

اور مابعد الطبیعاتی معتقدات کی بجائے اصل زور مادی وسائل اور انسانی سوچ پر ہے۔ اگرچہ انگلستان میں اس نقطۂ نظر اور "سیکولرازم" کی اصطلاح کو رواج دینے والے سیاسی اور سماجی کارکن جارج جیکب ہولی اوک (۱۸۱۷ـــ ۱۹۰۶) کی کوشش تھی کہ اس فکر کو صرف سماجی خوشحالی، مادی ترقی اور سیاسی آزادی کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے اور عیسائیت دشمنی کو اس کا لازمی عنصر نہ خیال کیا جائے۔ لیکن اس کے بعض اہم رفقاء بالخصوص چارلس بریڈلا، چارلس واٹس اور جی ڈبلیو فٹ مذہبی عقائد کی تردید پر مُصر تھے۔ اور مادی ترقی اور دنیاوی خوشحالی کے لئے ابطالِ مذہب اور الحاد کو ضروری تصور کرتے تھے۔ اس تحریک سے وابستہ افراد کا بنیادی فِکر یہ ہے کہ مذہب اور سائنس کا تعلق دو علیحدہ اور مختلف دنیاؤں سے ہے ـــ سائنس ہمیں اس مادی دنیا کا علم دیتی ہے۔ چنانچہ ہر وہ چیز یا ہر وہ علم جس کا تعلق اس آب وگِل کی دنیا سے ہے، سیکولر ہے اور انسان کو چاہیئے کہ وہ مختلف علوم، انسانی مشاہدات و تجربات اور عقل وخِرد کی بنیاد پر زندگی کا لائحۂ عمل طے کرے اور سیاسی ومعاشرتی نظام وضع کرے۔ سماجی ومعاشرتی قوانین کا پہلو پہلے بھی عیسائیت میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رفعِ علیٰؑ کے بعد جلد ہی پال نے قوانین کو تعلیماتِ علیٰؑ سے بالکلیہ خارج اور ساقط کر دیا تھا اور مذہب کو صرف چند ناقابلِ فہم عقائد (Dogmas) تک محدود کرکے عملی زندگی، اخلاق اور قانون سے اس کا کوئی تعلق باقی نہ رکھا تھا۔ چنانچہ اگر دِقتِ نظر سے دیکھا جائے تو تاریخی طور پر مذہبی یا 'ریلیجئس' اور دنیاوی یا 'سیکولر' کی تقسیم دنیائے عیسائیت میں پہلے ہی موجود تھی۔ گذشتہ صدی کی سیکولرسٹ تحریک نے اسے زیادہ علمی اور سائنٹیفک انداز میں زوردار طریقے سے پیش کیا۔ اس میں جہاں ایک طرف سیاسی جبر واستبداد اور استحصالی قوتوں کے خلاف آواز اٹھائی گئی، وہاں دوسری جانب مذہب اور مذہبی اندازِ فکر کی بجائے انسانی فکر اور سائنسی منہاج کو دنیاوی معاملات ومسائل کے حل وکشود، ترقی اور سماجی بہتری کے حصول کی کلید قرار دیا گیا۔ اگرچہ سیکولر تحریک سے منسلک اکثر مفکرین نے وجود باری تعالیٰ، آخرت اور دوسرے مذہبی عقائد کی علمی طور پر تردید نہیں کی لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ انہوں نے ان معتقدات کو مثبت طور پر لائقِ اعتناء اور غور وفکر

کے قابل بھی نہ جانا۔ اور یہ عدم توجہی کا رویہ بھی بڑی حد تک مذہب کی نفی پہ منتج ہوا۔

ایک اہم یورپی مفکر C.A. Van Peursen نے سیکولرازم کے نقطۂ نظر پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اس کے تین اہم عناصر یا نکات کی نشاندھی کی ہے جو مندرجۂ ذیل ہیں :—

1. Disenchantment of Nature
2. Desacralization of Politics
3. Deconsecration of values

پہلے عنصر کے مطابق کائنات کسی مافوق الفطرت ہستی کی پیدا کردہ نہیں اور نہ ہی اسے کسی اُلوہی ہستی سے وابستہ سمجھا جا سکتا ہے۔ دوسرے نکتے میں سماجی اور سیاسی مسائل اور قوانین کی مذہبی تقدس سے علیحدگی اور تیسرے نکتے میں اقدار اور بالخصوص اخلاقی اقدار کا بالکلیہ انسانی پسند و ناپسند پر انحصار اور خیر و شر کے مذہبی عقائد سے لاتعلق ہونا بیان کیا گیا ہے۔

گزشتہ صدی میں انگریز مفکر چارلس بریڈلا اور اس کے ساتھیوں کی الحاد پسندی اور اس صدی کے فلسفی ادیب وان پیورسین کی مندرجہ بالا تصریحات کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ پروفیسر وارث میر صاحب کے اس خیال میں کہ " یہ امر واقعی ہے کہ مغرب میں اس اصطلاح سے مذہب دشمنی یا لادینیت کبھی بھی مراد نہیں لیا گیا[1]" کیا صداقت رہ جاتی ہے۔ اسلام، اس کے بنیادی معتقدات اور اساسی فکر کا شعور رکھنے والے ہر شخص کے لئے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ " ریلیجن " اور " سیکولرازم " کے الفاظ اور ان کے مخصوص معانی جو یورپی فکر اور زبانوں سے مختص ہیں، اسلام عربی اور اسلامی علمی ذخیرے میں قطعاً نہیں پائے جاتے۔ یہ صرف مغربی تعلیم کا اثر اور مغربی تصورات کی سحر کاری ہے کہ ہمارے ملک کے بعض دانشور اور صحافی حضرات بھی اسلام کی وحدت میں مذہب اور سیکولر رویئے کی دوئی کے قائل نظر آتے ہیں۔ یہ حضرات شعوری یا غیر شعوری طور

---

[1] مضمون : نوید فکر، ایک اہم سیاسی اصطلاح کا گمراہ کن مفہوم، قسط نمبر ۲، روزنامہ "جنگ" لاہور

پر مذہب کا صرف ایک انتہائی محدود اور انفرادی زندگی یا رسمی عبادات (Prayers and rituals ـــــ) سے متعلق دنیائے عیسائیت کا سا تصور رکھتے ہیں جس میں عقائد غیر منحقق، ناقابلِ فہم اور توہمانہ ہوتے ہیں۔ اور کتنا صحیح کہا ہے فرانسس بیکن نے کہ "توہم پرستی دہریت سے بدتر ہے۔ خدا کی نسبت بے اعتقادی ایسے اعتقاد کی نسبت بہتر ہے جو خدا کو ذلیل کرے اور اس کے شایانِ شان نہ ہو۔ پہلی حالت تو محض بے اعتقادی ہے اور دوسری خدا کی تذلیل و تحقیر۔ توہم پرستی بے اعتقادی کی نسبت زود تر بد اخلاقیاں پیدا کرتی ہے۔ توہم پرستی مملکت کے لئے بھی خطرناک ہے۔ کیونکہ اس سے ایسی قوتیں پیدا ہوسکتی ہیں جو مملکت کی قوت سے بڑھ کر ہوں۔ اس حالت میں عقلمند مجبور ہوتے ہیں کہ احمقوں کی پیروی کریں۔"

سیکولرازم کے محولہ بالا تین مرکزی نکات کا اسلام سے تصادم و تخالف ملاحظہ فرمائیے:

ازروئے قرآن زندگی کے حوادث اور کائنات کے مظاہر انسان کو کسی حقیقتِ ازلی کی خبر دیتے ہیں۔ یہ آیات یا نشانیاں ہیں ان حقائق کی جو نظر سے اوجھل ہیں لیکن بصیرت پر منکشف ہوسکتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی کی طرح قرآن نے مظاہرِ فطرت کو بھی آیات کہا ہے۔ کیونکہ یہ تمام نشانیاں ہیں جو ایک حکیم و رحیم خالق کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ اور اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ انسان میں وہ نظر پیدا ہو جائے جو منظورِ حقیقی کو براہِ راست دیکھ سکے۔ اہلِ ایمان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ زمین و آسمان کی بناوٹ پر غور کرتے ہیں (یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آل عمران: آیت ۱۹۱)۔ اس اعتبار سے ایک سائنسدان وہی کام کرتا ہے جو ایک فطرتِ سلیم رکھنے والا شخص کرتا ہے۔ تاہم دونوں میں فرق یہ ہے کہ سائنسدان کا عمل صرف تحقیق و علم اور عملی ایجادات کے لئے ہوتا ہے اور مومن کا عمل عبرت، عرفانِ حقیقت اور اثباتِ توحید کے لئے۔ گویا سیکولرازم کے نقطۂ نظر کے برخلاف قرآن میں کائنات اور کائناتی واقعات کو ایمانی دعوت کے حق میں بطور استدلال پیش کیا گیا ہے۔ ایک سلیم الفطرت

---

[1] فرانسس بیکن پیدائش ۱۵۶۱ء وفات ۱۶۲۶ء بحوالہ تاریخ فلسفۂ جدید، جلد اوّل ص: ۲۲۵

اور صاحبِ بصیرت انسان کو ساری کائنات صفاتِ خداوندی کا ظہور نظر آنے لگتی ہے۔ اسلام نے شرک اور اوہام کو ختم کر کے توحید کو غالب کیا اور اس طرح اس ذہن کو فروغ دیا جس نے عالمِ فطرت کی تحقیق کا راستہ کھولا۔ مسلمانوں کی سائنسی تحقیق اور ترقی کے سلسلے میں عقیدہ توحید کی اہمیت کو بریفالٹ اور آرنلڈ ٹائن بی (۱۸۸۹ - ۱۹۷۵)[۳] نے بھی واشگاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

اب آئیے دوسرے اور تیسرے نکتے کی جانب۔ اسلام کے لئے اصلاً قرآنی اصطلاح "دین" مستعمل ہے۔ جس کا مفہوم بہت وسیع اور ہمہ گیر بھی ہے اور نہایت گہرا اور وسیع الذیل بھی۔ تصورِ خدا اور دیگر ایمانیات سے لے کر انسانی زندگی انفرادیت اور اجتماعیت کے تمام پہلو اس کے اجزا ہیں۔ اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرت اور سیاست کے اصول بھی اس میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسلام دنیائے عیسائیت کے تصورِ مذہب کے مطابق چند فرسودہ عقائد (Dogmas) اور بے روح رسمی عبادتوں (Rituals) کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب خود بہت سے مغربی مفکرین اور مستشرقین 'دین' کے لئے 'A Complete code or way of life, کی مفصل تشریحی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کا فکر اس مسئلے پر بالکل واضح اور راسخ العقیدہ جمہور مسلمانوں کے فہمِ اسلام کی پُرزور پیرائے میں تائید کرتا ہے۔ چنانچہ آپ کی اہم تصنیف "اسلامک آئیڈیالوجی" کے ابتدائیے میں درج ذیل سطور لائق توجہ ہیں:

1. Islam was not satisfied with preaching only broad principles, it was considered essential to create a system and a discipline which should embody those principles in individual and social life. It is a complete code of life based on a definite out look on life.

2. The Muslims believe that the essentials of Islam are eternal and so is the system called Shariat. The belief of the auther is that the essential framework of the Shariat too, which can be studied from the teachings of the Quran and the authentic sayings and practices of the

prophet, rests on eternal verities. It is a creed that can never become outworn

اسی طرح علامہ اقبال علیہ الرحمہ پر اپنی ضخیم اور انتہائی وقیع کتاب "فکر اقبال" کے صفحہ ۶۸۲ پر رقم طراز ہیں:

"اسلام دین اور دنیاوی زندگی کی تقسیم و تفریق کا قائل نہیں۔ اس کی وحدت زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ دنیا کو ایک خاص زاویۂ نگاہ سے برتنا ہی دین ہے۔"

خلیفہ صاحب کے انتقال کے بعد مرحوم جسٹس ایس۔اے رحمان کے پیش لفظ کے ساتھ شائع ہونے والی کتاب The prophet and His Message کے باب بعنوان "اسلام اور ڈیموکریسی" میں ایک آئیڈیل اسلامی ریاست اور ہیئت اجتماعیہ کے اہم خدوخال فاضل مصنف نے چودہ نکات میں پیش کئے ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل تین موضوع زیر بحث کے اعتبار سے انتہائی اہم ہیں اور جو خلیفہ صاحب کی اصابت رائے پر دال ہیں۔

1. Sovereignty belongs to God alone whose chief attributes are wisdom, justice and love. He desires human beings to assimilate there attributes in their thoughts, words and deeds.

2. An Islamic state is not theocratic but ideological. The rights and duties of its citizens shall be determined by the extent to which they identify themselves with this ideology.

3. There shall be no special class of priests in an Islamic society though persons leading better religious life and possessing better knowledge of religious affairs have a ligitimate claim to honour. They shall enjoy no special privileges legal or economic.

اختتامی پیراگراف میں لکھتے ہیں:

These are the fundamentals of an Islamic constitution that are unalterable. No ruler or no majority possesses any right to tamper with them or alter them. This is eternal Islam rooted in the God-Centred humanity.

ہمارے ہاں کے بعض دانشور جو بزعم خویش روشن خیال، بالغ نظر، بیدار مغز اور ترقی پسند

بنانا یا کہلوانا چاہتے ہیں قرآن اور نبی اکرمؐ کی تعلیمات میں جمود اور ناگوار قطعیت کے شاکی نظر آتے ہیں لیکن سطور بالا میں خلیفہ عبدالحکیم اسلام کے اساسی احکام کو غیر متبدل (Unalterable) قرار دے رہے ہیں۔ اور جمہور کو بھی ان میں کسی تبدیلی کا مجاز قرار نہیں دیتے۔ اسی طرح یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ قانون، ریاست اور حکومت کے معاملات میں دین کے عمل دخل کا لازمی نتیجہ تاریخی طور پر دنیائے عیسائیت کی تھیوکریسی ہے۔ حالانکہ یہ بات علمی طور پر قطعاً غلط اور لغو ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کے اوپر دیئے گئے انگریزی اقتباسات سے بھی اس کی تائید و تصویب ہوتی ہے۔ اردو میں ان کی مزید تشریح خود اُن ہی کے الفاظ میں سُنیئے۔ تاکہ کسی کو میری ترجمانی پر اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ 'فکرِ اقبال' کے صفحہ ۶۸۲ پر رقمطراز ہیں:

"اسلام کے نزدیک مملکت وحدت آفرینی کی کوشش اور روحانیت کو عملی جامہ پہنانے کا ایک وسیلہ ہے۔ اسلام فقط انہی معنوں میں تھیوکریسی یا دینی مملکت ہے۔ اسلام کو تھیوکریسی کے عیسوی اور مغربی مفہوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارے ہاں پاپائے معصوم و آمر اور کلیسا اور پروہتوں کا نظام نہیں جو مغربی انداز کی تھیوکریسی پیدا کرتا ہے"

The prophet and His Message کے باب بعنوان Law and Islam. کا درج ذیل اقتباس اسلام اور سیکولرازم کے موضوع پر خلیفہ صاحب کا واضح ترین علمی موقف ہے جس کا مطلب بالکل صاف اور ہر ابہام اور شک و شبہ سے بالاتر ہے:

Islam without being a theocracy in the sense in which the West uses this word insisted on the common foundation of religion, morality and law. In Islamic society, law cannot be secular in the sense that it should renounce any connection with religion. For a Muslim religion is an all-comprehensive reality.

Personal morality, social relationship, private law, public law, inter-faith or international relations must be justified or referred back to the fundamentals of Islam.

سیکولرازم کے حامی انسانی زندگی اور معاشرت کے مسائل عقل، سائنس اور سائنسی منہاج کے ذریعے حل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر وارث میر صاحب محولہ بالا مضمون میں لکھتے ہیں:

"(سیکولرازم) سے مراد ایک ایسا سیاسی یا معاشرتی نظام لیا جاتا رہا ہے جس کی اساس مذہبی امتیازات اور عقائد کی بجائے سائنس اور عقل پر ہو (اور اسلام سائنس کے خلاف نہیں ہے)"

لاریب، اسلام سائنس اور عقل کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ لیکن کیا اسلام اس کی اجازت دے گا کہ اس کے پیش کردہ واضح دینی تصورات اور صریح احکامات میں بھی آپ اپنی عقل اور سائنس کا استعمال شروع کر دیں۔ اس صورت میں مذہب اور "سائنٹزم Scientism" میں کیا فرق رہ جائے گا۔ اور کاش کہ پروفیسر صاحب سائنس اور سائنٹیفک منہاج کے بارے میں جدید مفکرین بالخصوص سوشل نقاد ونیس ممفورڈ اور فرانسیسی ماہرین سائنس و اجتماعیات رینے ڈوبو اور ژاک ایلل کے خیالات پڑھ لیں تو ان پر تازہ ترین صورتِ حال کا انکشاف ہو۔ یہ بات گزشتہ صدی کی ہے جب سائنس اور سائنٹیفک منہاج کے علمبرداروں کا خیال تھا کہ یہ طریق تحقیق ان کے ہر عقدے اور ہر مسئلے کے حل میں ممد ہوگا۔ ان کا خیال تھا کہ سائنس کی ترقی لامحدود ہے اور اس کے ذریعے انسان ایک آئیڈیل معاشرہ اور پرسکون زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن موجودہ صدی کے وسط میں دنیا کے عظیم دانشوروں اور اہلِ سائنس نے اقرار کر لیا ہے کہ یہ سب خوش فہمی تھی۔ سائنس ـ ٹیکنالوجی ـ پروگریس ـ اقتصادی ترقی ـ ڈویلپمنٹ اور جدیدیت پر مشتمل جو لائحہ عمل مغربی فلاسفہ اور اہلِ دانش نے اپنے لیے تجویز کیا تھا، اب بہت سے اہلِ عقل و بصیرت کو دعوتِ فکر دے رہا ہے اور ان کی سوچ میں ایک بنیادی تبدیلی کا متقاضی ہے۔ چنانچہ اب متعدد مفکرین اس امر کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں کہ طبیعی علوم اور سائنٹیفک منہاج کو دوبارہ مابعد الطبیعات سے مربوط کیا جائے۔ پچھلی صدی کے سائنسی علمیاتی نظریات میں اقدار، مذہبی جذبات اور مابعد الطبیعاتی افکار کو بالکل فرسودہ اور غیر متعلق تصور کیا گیا تھا لیکن منہاجیات کے موضوع پر گزشتہ دس پندرہ سالوں کے دوران جو اہم مقالات شائع ہوئے ہیں ان میں گزشتہ صدی سے رائج وحدانی اور لاقدری [Value-free or positivistic] قسم کا منہاج شدید تنقید کا نشانہ بنا ہے۔ ان جدید مفکرین کا خیال ہے کہ علم کے منہاج کو وسیع النظری کے ساتھ کسی سوسائٹی کے تہذیبی اور دینی خیالات کو استعمال کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیئے۔ ان مفکرین میں پال فیرابنڈ،

اوپن ہائمر، شوڈنگر اور فرتھ جوف کاپرا کے نام سرفہرست ہیں۔ اب یہ بڑے پیمانے پر تسلیم کیا جارہا ہے کہ مغربی سائنس، اس کی مادّہ پرستانہ تہذیب اور اس کے ملحدانہ علمی منہاج نے انسانیت کے قافلے کو ذہنی امن و سکون اور صحت مند ترقی کی بجائے الٹا نقصان پہنچایا ہے اور تباھی کی طرف دھکیلا ہے۔ یورپ کے بعد اب امریکہ کے بعض دانشور بھی "جدیدیت" اور "سائنٹفک ترقی" جیسے تصوّرات کی محدودیت اور نقائص کے قائل ہوتے جارہے ہیں۔

اور عقلِ انسانی کا معاملہ جس پر سیکولرازیشن کے حامی تکیہ کرتے ہیں، کیا مختلف ہے؟ بقول علّامہ اقبالؒ ؎

"عقل عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے"

کیا فرائڈ نے اس حقیقت کو مبرھن نہیں کر دیا کہ عقل طبیعی یا عقل جُزئی حیوانی سطح اسفل اکثر پہ ہے جذبات، مرغوباتِ نفس اور تعصّبات کی غلامی کرتی ہے۔ یہ مادیات اور طبیعات میں محصور خِردِ انسان کو تشکیک اور تذبذب کی بھول بھلیوں سے نہیں نکال سکتی۔ انسانی عقل کو جو اپنے محدود مشاھدات اور تجربات سے اصولِ حیات اور نظریہ حقیقت کا استقرار کرنا چاہتی ہے، نہ آدم کی روح ملکوتی اور اس کے لامحدود امکانات کا ارتقاء سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ نبی کی نبوّت۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان اور تزکیہ نفس ہی سے عقل میں وہ رُوحانی تنویر پیدا ہوتی ہے جو اسے شہوات کی غلامی اور حیلہ گری سے نجات دلاتی ہے۔ مغرب کی تعلّی آمیز اور مائل بہ الحاد عقلیت ہی سے بیزار ہوکر شاعرِ مشرق علّامہ اقبالؒ نے انسانی عقلِ محدود کو الحاد آفریں، بہانہ جو اور فسوں گر کہا ہے۔ اور اس کی کوتاہ نظری اور حقیقت نارسی کا بیان مختلف پیراؤں میں کیا خوب کیا ہے:

؎ خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے

؎ علاجِ آتشِ رُومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

؎ ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نِرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

وہ آنکھ کہ ہے سُرمۂ افرنگ سے روشن
پُرکار دسخن ساز ہے نم ناک نہیں ہے

اور سے تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی مرا ایمان ہے زناری!

خلیفہ عبدالحکیم مرحوم جو خود علامہ اقبالؒ کی طرح قدیم اور جدید تفلسف میں تربیت یافتہ تھے اور عذاب دانشِ حاضر، سے پوری طرح باخبر اور سوختۂ نارِ افرنگ تھے، اپنی تصانیف میں بتکرار اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ یورپ اور مغربی سائنس کے پاس محدود عقل وخرد کے سوا کوئی ذریعۂ علم نہیں ہے۔ اور خرد کے نظریات ہر دم متغیّر اور باہم متصادم رہتے ہیں۔ چنانچہ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ خود انہیں علمی و فکری اماں ملی تو عارف رومیؒ کے 'اختلاطِ ذکر و فکر' میں۔

پروفیسر وارث میر صاحب نے سیکولرازم کا فلسفہ اور استدلال پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر حسین نصر کے افکار پر بھی گرفت کی ہے۔ اس بحث کو کسی دوسری نشست کے لئے مؤخر کرتے ہوئے آخر میں اُن کے ایک خیال کی تصحیح ضروری سمجھتا ہوں۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں

"مسلمانوں نے دنیاوی ترقی کی خواہش کو مغربیت کا متبادل تصوّر کر لیا۔ لفظ دنیا سے نفرت ہی لفظ سیکولرازم سے نفرت کی بنیاد بنا۔"

حقیقت یہ ہے کہ معاملہ صرف الفاظ کا نہیں ان کے مفاہیم اور پس پردہ نظریات کا ہے۔ سطور بالا میں میں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ سیکولرازم کسی طور بھی اسلام کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ اسلام دنیاوی اور سائنسی ترقی کے نہ کبھی ماضی میں آڑے آیا ہے اور نہ آج ہے۔ دنیاوی ترقی کا کوئی پہلو اس وقت غیر مطلوب ہے جب وہ مسلمان کو اپنی حقیقت اور باطنی شخصیت کی طرف سے غافل کر دے اور اسے اپنے خالقِ حقیقی سے بھی محجوب کر دے۔

جہاں تک حُرّیتِ فکر اور ارتقاءِ حیات و تمدّنِ انسانی کے پیشِ نظر "خرد افروزی"، فکرِ نو اور اجتہاد کا سوال ہے میں سمجھتا ہوں کہ قرآن و سنّت نے اس باب میں ہماری سوچ اور ذہن کے عمل دخل اور کارفرمائی کے لئے بڑی کھلی گنجائش فراہم کی ہے۔ ایک طرف دین کے صریح اوامر ہیں جن میں فرض، واجب، سنّتِ مؤکّدہ اور سنّتِ غیر مؤکّدہ کی تخصیص

اور درجہ بندی ہے اور دوسری طرف صریح اور منصوص تحریمات ہیں جنہیں مکروہاتِ تحریمی اور مکروہاتِ تنزیہی شامل ہیں جو اگرچہ حرام مطلق نہیں۔ ان دو فصیلوں کے درمیان مباحات کا ایک وسیع دائرہ ہے جہاں مسلمان جمہور اپنے لیجسلیٹو یعنی قانون ساز اختیار استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی میں یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ یہ اجتہادی فکر نو پروفیسر وارشلمیر صاحب کی رائے کے برعکس "سیکولر" نہیں ہوتا کیونکہ صدق دل سے کلمۂ توحید اور اثباتِ رسالت کے بعد ایک مومن صادق کی سوچ اور نظر قولِ رسولؐ کے مطابق ایمانی اور نورانی ہو جاتی ہے۔ (اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ)۔

جو لوگ اسلام کی اساسات، اس کے تہذیبی ڈھانچے اور متفقہ و مسلّم قانونی پہلو میں ترقی پسندانہ روشن اور بگ ٹٹ جدیدیت کے علمبردار ہیں ان کے علم میں یہ بات رہنی چاہئیے کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر دنیائے اسلام میں اسی قسم کا فکری انقلاب لانا چاہتے ہیں جو موجودہ صدی میں بعض "روایت شکن" دانشوروں اور ادیبوں کی تحریروں سے مغرب میں آیا جن میں روڈلف بلٹمان، لون ہوئے فر، پال ٹلک، بشپ آف دولیچ جان رابنسن، ایلٹائر کی اور دوسرے بہت سے مفکرین اور ادیب شامل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ان جدید افکار کے زیرِ اثر عیسائیت میں سے ایک مابعد الطبیعاتی مذہبی روایت کی حیثیت سے بچی کھچی روح بھی نکل گئی اور وہ ایک کلچرل "کلٹ" کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ چنانچہ مسیحی دنیا میں اب "ڈیتھ آف گاڈ تھیالوجی" اور خدا کے وجود پر ایمان و یقین کے بغیر کرسچین یقین (Faith) کے موضوع پر کتابیں اور مقالات لکھے جا رہے ہیں۔ اور عملی اعتبارات سے ہر قسم کی اخلاقی و جنسی بے راہ روی کے لئے سندِ جواز فراہم کیا جا رہا ہے۔ ہمارے مسلمان دانشوروں کو معلوم ہونا چاہئیے کہ عیسائیت کے برخلاف قرآن اور اسلام کی تعلیمات بالکل واضح، فطری اور عقلِ سلیم کے عین مطابق ہیں۔ ان میں متھس (Myths) کا شائبہ تک نہیں جن کی متھ شکنی (Demytholigizing) کے لئے کسی روڈلف بلٹمان کی ضرورت پڑے ::

نقطۂ نظر

ٹی وی اور وی سی آر کی شرعی حیثیت

کے بارے میں دار العلوم دیو بند کا موقف

اسلام زندگی کے ہر شعبۂ حیات میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ عقائد و عبادات کے ضمن میں اس کی تعلیمات حد درجہ اکمل و اتم ہیں جس میں کمی و بیشی کا کوئی امکان نہیں۔ جہاں تک معاشی و معاشرتی معاملات کا تعلق ہے، ان میں بنیادی رہنمائی کے ساتھ ساتھ چند ایسے اصول ہدایات دیے دی گئی ہیں جنہیں ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے نئے حالات میں فہم و بصیرت سے کام لیتے ہوئے معاشرتی و معاشی ڈھانچہ کی تفصیلات طے کی جاسکتی ہیں۔

سائنسی ایجادات کے اس دور میں معاشرتی اقدار تیزی سے بدلتی جا رہی ہیں۔ نئی نئی اشیاء روزمرہ زندگی میں دخیل ہوتی جا رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر شے میں خیر و شر کی صلاحیت ہوتی ہے اور اس کا طریقِ استعمال ہی اس کے خیر یا شر ہونے کی جہت متعین کرتا ہے۔ ٹی وی اور وی سی آر ابلاغِ عامہ کا سب سے مؤثر ذریعہ ہیں اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اگر ان کو ابلاغِ دین کا ذریعہ بنایا جائے تو مفید اور دور رس نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اور یہ بات بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ ان کے غلط استعمال نے معاشرہ میں کتنی بھیانک فضا قائم کر دی ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ٹی وی یا وی سی آر کے استعمال کے بارے میں علماء میں ایک سے زائد رائیں موجود ہیں۔

'میثاق' کی اشاعت مئی ۱۹۸۶ء میں مولانا مدنی میاں کا ایک مضمون 'ٹی وی اور ویڈیو کیسٹ کی شرعی حیثیت' کے عنوان سے شائع کیا گیا تھا جس میں موصوف نے ٹی وی اور ویڈیو کو بعض شرائط کے ساتھ دیکھنے اور ان کے استعمال کو مباح قرار دیا تھا۔ اس پر چٹاگانگ کے ایک دینی مدرسے "مجمع الطالبین" سے مولانا کبیر احمد صاحب کا خط ہمیں موصول ہوا جنہیں اس رائے سے اتفاق نہ تھا۔ بعدہٗ انہوں نے اس مسئلے سے متعلق دار العلوم

دیوبند کا ایک فتویٰ بھی ہمیں ارسال کیا جس میں مولانا مدنی میاں کی رائے کے بالکل برعکس رائے ظاہر کی گئی تھی۔ یہ فتویٰ چونکہ ایک نہایت مستند دینی دار العلوم سے جاری کیا گیا ہے لہٰذا موضوع اور دار العلوم کی اہمیت کے پیشِ نظر افادۂ عام کیلئے اسے بلا تبصرہ شائع کیا جارہا ہے۔ تاکہ یہ نقطۂ نظر بھی وضاحت سے قارئین کے سامنے آجائے۔

(ادارہ)

مولانا مدنی میاں جو ہندوستان کی مشہور خانقاہ کچھوچھا شریف سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے ویڈیو کیسٹ اور ٹیلی ویژن کے بارے میں یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے کہ ان کا دیکھنا ان شرطوں کے ساتھ جائز ہے، کہ ان میں ناجائز تصویروں اور ناجائز مناظر کی نمائش نہ کی گئی ہو ــــــ اس لئے کہ ٹیلیویژن کے اسکرین پر آنے والی تصویریں حقیقتاً تصویر نہیں ہوتیں، بلکہ وہ عکس اور پرچھائیں ہیں، جو نظر آتی ہیں، اور عکس و پرچھائیں کا دیکھنا ہر ایک کے نزدیک جائز ہے، جس طرح آئینہ یا صاف پانی میں انسان یا کسی جاندار کی تصویر چھپ جاتی ہے تو اس کو دیکھنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ تصویر کوئی ناجائز منظر کشی نہ کر رہی ہو۔ بالکل اسی شرطِ جواز کا لحاظ کر کے ویڈیو کیسٹ کا دیکھنا بھی بروئے شرع و عقل جائز ہے ــــــ رہا یہ شبہ کہ جب یہ عکس ہیں تو پھر ان پر تصویر کا اطلاق کیوں کیا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے، ورنہ حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ عکس ہی ہیں، اگر عکس نہ ہوتے تو پھر یہ تصویریں فیتہ میں نظر کیوں نہیں آتی ہیں، جبکہ تصویر ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کو دیکھا جاسکتا، لیکن نہیں دیکھا جارہا ہے، تو حقیقت ایک طرف یہ ہے کہ ان کو غیر مرئی ہونے کی وجہ سے عکس کہا جائے اور احکامِ عکس ان پر مرتب ہوں اور دوسری طرف مجازی اطلاق یہ ہے کہ ان کو تصویر کہہ کر ناجائز قرار دیا جائے ــــ اب فیصلہ اصول فقہ کی روشنی میں آسان ہے کہ حقیقت اس وقت تک ترک نہیں کی جاسکتی، جب تک کہ حقیقت کا استعمال ناممکن نہ ہو جائے اور یہاں حقیقت ناممکن نہیں بلکہ وہی زیادہ مناسب ہے اس لئے مجاز مراد لے کر اس پر حکم عدمِ جواز لگانا غلط ہے۔ ــــ اور جس طرح ٹیپ ریکارڈر کے فیتہ میں آوازیں محفوظ ہیں، تو اُن کو سننا اسی شرط کے ساتھ جائز ہے کہ غلط آوازیں نہ ہوں، اسی طرح یہاں بھی یہی حکم اور یہی شرطیں ملحوظ ہوں گی ــــــ یہ ہے مولانا مدنی میاں صاحب کے دلائل کا خلاصہ جن پر مولانا کے فتویٰ جواز کا سارا نظام گردش کر رہا ہے۔ پوری تفصیل بلفظہٖ لاہور سے نکلنے والے پرچہ "میثاق" میں موجود ہے، ــــ ذیل میں مولانا کے فتویٰ کا تحقیقی جائزہ لیا جارہا ہے۔

بنیادی طور پر حضرت مولانا کا پورا فتویٰ دو اصولوں پر گھوم رہا ہے (۱) اگر جائز مناظر کی عکاسی کی گئی ہو تو ٹیلی ویژن دیکھنا جائز ہے ۔ (۲) یہ مناظر تصویریں نہیں بلکہ عکس ہیں ۔
لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں اصول ایک صاحبِ نظر انسان کے نزدیک مخدوش بلکہ باطل ہیں :

(۱) پہلے اصول کے بارے میں تو صرف اتنا عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ جائز و ناجائز مناظر کی شرط لگانا کیا حالاتِ وقت سے بے خبری یا تجاہلِ عارفانہ کا اثر نہیں ہے؟ کون نہیں جانتا کہ ٹیلیویژن نشر و اشاعت کے سارے مراکز حکومت کے قبضہ میں ہیں ۔ وہ جس انداز کی نمائش چاہتی ہے کرتی ہے، کسی خاص اسلامی انسان کے زیرِ دست نہیں ہیں کہ وہ جائز منظر کشی کرے یا ناجائز ، دونوں اختیار اسے حاصل ہوں ، ـــــــ اور جب حکومت اس ٹیلی ویژن کے ذریعے عموماً غلط نمائشیں ہی کرا رہی ہے تو جائز مناظر کی شرط لگا کر احوال اور عام رائے کے خلاف یہ ایک خیالی تشقیق اور موشگافی نہیں تو کیا ہے ؟ ورنہ جو عام طور پر رائج ہے اس کو کون بدل سکتا ہے ؟ پھر فتویٰ اسی کے مطابق ہونا چاہیئے ، نہ یہ کہ کوئی ذہنی اور خیالی تشقیق کر کے ہر رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی ـــــ کا مصداق بننا چاہیئے ۔

یہاں شاید مولانا کی طرف سے یہ کہا جائے کہ اچھا چلو ! یہ عام نمائش حکومت کے قبضہ میں ہے ۔ لیکن وہ مناظر جن کا تعلق ٹیلی ویژن کے مرکز سے نہیں بلکہ دینی دائروں سے ہے ، مثلاً محافلِ وعظ ، مشائخ کے تزکیۂ نفوس کی روحانی مجلسیں ، ان کے تلامذہ و مریدین کا حلقۂ ذکر و فکر ، مشاہدہ و مراقبہ کا حسین منظر ، مساجد میں نمازیوں کی صف بستہ قطاریں ، مدارسِ دینیہ کا تعلیمی ماحول ، تدریسی شکلیں تبلیغی اجتماعات ، گشتی کیفیات اور مناسکِ حج کی ادائیگی کی پربہار فضا وغیرہ ۔ یہ سب دینی و اسلامی تنظیمات سے متعلق ہیں اور جائز مناظر ہیں ، اس کا جواب میں اسی تصویر کے دوسرے رُخ میں دوں گا ۔
ان شاء اللہ تعالےٰ !

(۲) آیئے مولانا کا دوسرا اصول بھی دیکھ لیجئے : مولانا نے ان تصویروں کو عکس اور پرچھائیں فرمایا ہے اور دلیل بھی کتنی جاندار کہ :

(۱) وہ نظر نہیں آتیں
(۲) اور حقیقت میں وہ عکس ہیں ، اسی لئے مجازاً تصویر کا حکم اس پر نہ ہوگا ۔

لیکن یہ دنیائے علم کے لئے ایک افسوس ناک حادثہ ہے کہ اتنا بڑا عالم اتنی چھوٹی اور نیچی باتیں کر رہا ہے

کیا کسی چیز کا نہ دکھائی دینا اس کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔ ہزاروں چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں، لیکن ان کے وجود کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس کی نظیریں علوم وفنون کے ہر شعبہ میں ہیں: **شرعیات** میں دیکھئے کہ دواعیٔ زنا یعنی بوس وکنار جو اسباب زنا ہیں، ان پر وہی حکم لگتا ہے جو زنا کا حکم ہے۔ یعنی رشتۂ مصاہرت ثابت ہو جاتا ہے۔ جبکہ زنا بالفعل موجود نہیں ہے لیکن چونکہ بالقوہ موجود ہے کہ ان اسباب سے جرم زنا کا صدور ہو سکتا ہے، اس لئے ان پر حکم زنا ثابت کیا گیا، اسی طرح ٹیلی ویژن، ویڈیو کیسٹ کے فیتہ پر تصویریں اگرچہ بالفعل نظر نہیں آتی ہیں لیکن بالقوہ ہر وقت نظر آرہی ہیں۔ اس طرح کہ جب چاہیے بٹن دبائیے اور ساری تصویریں ٹیلی ویژن کے اسکرین پر ناچنے لگیں، اس لئے بالقوہ کا حکم وہی ہوگا، جو بالفعل کا ہے — **نحویات** میں اس کی مثال لیجئے کہ ضمائر متصلہ جو نظر نہیں آتی ہیں، لیکن تمام اہل فن وہاں پر ضمائر کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے وجود کو مانتے ہیں۔ اسی طرح مفعول مطلق اور مفعول بہ میں بعض مقامات پر افعال بظاہر موجود نہیں ہوتے ہیں لیکن سب لوگ وہاں مخفی ومقدر مانتے ہیں۔ **تجربیات** کی دنیا میں آئیے! ہوا ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے، مگر اس کے وجود کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، ہمارے جسم کی کیفیات سرور وغم نگاہوں سے مستور ہیں لیکن ان کے انکار کی جرأت کوئی نہیں کر سکتا۔ **اعتقادیات** کے باب میں خدائے پاک نظروں سے مخفی ہیں لیکن اس کے وجود کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور **سائنسیات** کی کتاب اٹھئے کہ برقی لہریں نظر نہیں آتیں مگر کوئی ان کے وجود کا انکار نہیں کرتا — تو آخر کیا مصیبت ہے کہ زندگی اور علوم وفنون کے ہر شعبہ میں تو کسی چیز کو ماننے کے لئے ظاہری مشاہدہ کو شرط نہیں قرار دیا جاتا، لیکن جب ویڈیو کیسٹ کا مسئلہ آتا ہے، تو اس میں رویت کی شرط لگا دی جاتی ہے۔ جو تمام گوشہ ہائے حیات میں ٹھکرائی جا چکی ہے۔ — اب ارباب نظر خود فیصلہ کریں کہ مولانا کی پیش کردہ دلیل کتنی اٹھی تو توں کا مجموعہ ہے۔

رہا یہاں پر حقیقت ومجاز کی بحث چھیڑنا تو واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک مغالطہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لئے کہ حقیقت ومجاز الفاظ کے پیچ وخم اور اطلاقات کے نشیب وفراز ہیں، واقعہ کی دنیا میں حقیقت ومجاز کی بحث آتی ہی نہیں، اصول فقہ میں حقیقت ومجاز کو الفاظ کی قسموں میں بیان کیا گیا ہے، اور ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ویڈیو کیسٹ کا مسئلہ امر واقعہ ہے، کوئی لفظی تکرار نہیں ہے، اور اگر بالفرض حقیقت ومجاز کو واقعاتی شعبوں میں بھی جگہ دے دی جائے تو بھی اہل نظر پر مخفی نہیں کہ یہ حقیقت میں تصویریں ہیں عکس نہیں ہیں اور عکس ہونے کی دلیلیں ابھی ادپرے بنیاد ہو چکی ہیں — اس لئے اس کو آئینہ اور پانی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ آئینہ اور پانی میں عکس آتا ہے، دلیل یہ ہے کہ اس

میں پائداری نہیں ہوتی اور ٹیلی ویژن اور ویڈیو کیسٹ میں تصویریں ہوتی ہیں ۔ دلیل یہ ہے کہ یہ ناپائدار نہیں ہوتیں بلکہ جب جس زمانہ میں چاہے، ان تمام مناظر کو کیسٹ کے فیتہ پر ٹیلی ویژن کے ذریعہ دیکھا جاسکتا ہے ـــــ تو دونوں دو جنسوں کی ہوگئیں، اور تمام اصولین کے یہاں طے ہے کہ قیاس کے لئے اتحادِ جنس شرطِ اولین ہے، اس لئے ٹیلی ویژن اور ویڈیو کیسٹ کو آئینہ اور پانی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح ویڈیو کا ٹیپ ریکارڈ اور مائیکروفون پر قیاس کرنا بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ ویڈیو کا تعلق دیکھنے سے ہے اور مائیکروفون اور ٹیپ ریکارڈر کا تعلق سننے سے ہے۔ وہاں تصویر ہے اور یہاں آواز ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا عجیب سانحہ ہے۔

اس مرحلہ پر پہنچ کر سخت حیرت درپیش ہے کہ مولانا نے ٹیلی ویژن کی تصویروں پر وہ حکم کس طرح صادر فرمادیا، جو حکم اصل مناظر کا ہوتا ہے ـــــ حالانکہ اصل مناظر کی کیفیات اور ان کی تصویروں کی کیفیات میں کافی فرق پڑجاتا ہے، آپ ہی دیکھئے کہ اصل شیر کو دیکھ کر انسان کس طرح ڈر جاتا ہے، لیکن جب اسی کو تصویر میں دیکھتا ہے تو اس وقت خوف و دہشت کیا معنی! بلکہ ایک طرح کا کیف و سرور اور تماشائی لذت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح نمازی جب خود نماز ادا کرتا ہے، یا کسی انسان کو نماز ادا کرتے دیکھتا ہے، تو اس وقت کی کیفیات اور ہوتی ہیں۔ لیکن جب اسی حالتِ نماز کی تصویر دیکھتا ہے، تو اس وقت کی کیفیت اور ہوتی ہے، اصل حالتِ نماز میں نیت عبادت کی تھی، اور اس کی تصویر دیکھنے میں نیت تماشا اور نظارہ کی ہے، پھر دونوں الگ چیزوں پر ایک دوسرں کو قیاس کیسے کیا جاسکتا ہے!

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ٹیلی ویژن اور ویڈیو میں کسی منظر کا دیکھنا کسی صحیح نیت سے نہیں ہوسکتا بلکہ یا بہ نیت تماشا یا بہ نیت لہو ولعب ہوگا، تماشا کی نیت میں بھی لہو ولعب کا معنی شامل اور کسی دینی و مذہبی مناظر کو تماشا، یا کھیل کود، خوش وقتی اور وقت گذاری کے لئے دیکھنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا ـــــ اور اگر کسی ایک دو بندۂ خدا کے دل میں خلوص باقی بھی رہے اور لہو ولعب کا پہلو اس کے قلب میں نہ بھی آئے، تو چند افراد کے حالات سے مسائل کی تعمیر نہیں ہوتی، بلکہ عامۃ الناس کے جو حالات ہوتے ہیں ان پر مسائل اور فتاویٰ کی بنیادیں رکھی جاتی ہیں۔ اس لئے بہر حال یہ لہو ولعب ہے۔ اگرچہ اس میں غلط تصویریں نہ ہوں اور لہو ولعب بہ روئے آیتِ کریمہ اتخذوا دینھم لھوا ولعبا ...... الخ حرام ہے ـــــ اور اگر کسی کی یہ نیت نہ بھی ہو تو چونکہ یہ سامانِ لہو ولعب ہیں، دونوں کا احتمال بہر حال ہے۔ لہٰذا سدًّا للباب اس کو ناجائز کہا جائے گا اس لئے کہ ایسے مرحلہ میں فقہاء نے یہ فیصلہ فرمایا ہے، کہ جانبِ حرام کو ترجیح دی جائے گی۔ فقہی قاعدہ ہے کہ اذا اجتمع الحلال ۔

والحرام غلب الحرام کہ جب حلال وحرام کا اجتماع ہو جائے تو غلبہ حرام کو ہوتا ہے، وفی شرح المنیۃ وان کان مع الجنازۃ نائحۃ اوسائحۃ تزجر وان لم تزجر لا یترک الجنازۃ انتھی ـــــ وفی ردالمختار ولا یترک اتباعھا لاجلھا (ای النائحۃ والسائحۃ) لان السنۃ لا تترک بما اقترن بہ من البدعۃ ویرد الولیمۃ حیث تترک حضورھا لبدعۃ منھا للفارق بانھم لوترکوا المشی مع الجنازۃ لزم عدم انتظامھا ولا کذلک الولیمۃ انتھی ـــــ دیکھ رہے ہیں! جنازہ چونکہ فرض کفایہ ہے، اس لئے محرمات کے مقامِ جنازہ پر ہونے کی وجہ سے اس کو ترک نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ پھر انتظامِ جنازہ کون کرے گا۔ البتہ ان خرافات کے روکنے کی سعی کی جائے گی، لیکن ولیمہ جو کہ سنّتِ مرغوبہ ہے، اس کو لغویات کے اختلاط کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے گا، ایک طرف سنّت مرغوبہ کا تقاضا اس کو قبول کرنے کا ہے، اور دوسری طرف لغویات وخرافات کا تقاضا اس کو چھوڑ دینے کا ہے، اس کشمکش کے وقت حرمت کا پہلو غالب قرار دیا گیا ـــــ البحر الرائق میں ہے: لانہ اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنۃ راجح علی فعل البدعۃ ـــــ سنّت وبدعت میں تردد کے وقت جب سنّت چھوڑی جاسکتی ہے، تو جس صورت میں اباحت وبدعت کا تقابل ہو، اس وقت امرِ مباح کو کیوں ترک نہیں کیا جائے گا۔ اسی پر ٹیلی ویژن اور ویڈیو کیسٹ کو سمجھ لیجئے ـــــ طریقۂ محمدیہ کی عبارت سے تو مسئلہ کا فیصلہ ہی ہو جاتا ہے: ثم اعلم ان فعل البدعۃ اشد ضررًا علی ترک السنۃ بدلیل ان الفقہاء قالوا اذا تردد بین کونہ بدعۃ وواجبۃ انہ یفعلہ، وفی الخلاصۃ تدل علی خلافٍ ـــــ واجب جب منکرات سے مخلوط ہو جائے تو اس وقت علماء کا اختلاف ہو گیا، کہ واجب ادا کرے یا نہ کرے۔ ناظرین غور کریں کہ پھر جب سنّت ومندوب یا مباح میں منکرات، لہویات ولغویات گھس جائیں گے تو کیا اس وقت اس سنّت مباح کا کرنا کسی بھی طرح درست ہو سکتا ہے؟ لیکن مولانا مدنی میاں سے واجب میں اختلاف کو تو کیا دیکھتے، مباح میں بھی بلا کسی تردد کے فتویٰ دے رہے ہیں کہ جائز ہے حالانکہ یہ اگر فی نفسہٖ مباح بھی ہو لیکن آدمی کو لہو ولعب، منکرات وخرافات تک جا پہنچنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور ایسا مباح جو مفضی الی المنکرات ہو وہ از روئے شرع مکروہ تحریمی ہے۔ عالمگیری میں ہے: وکل مباح یودی الی ذلک (الی البدعات والمنکرات) فمکروہ؛ اتنی تفصیل کے بعد کون صاحب شعور یہ کہنے کی جرأت کرے گا کہ ویڈیو کیسٹ اور ٹیلی ویژن

دیکھنا جائز ہے۔ اگرچہ اس میں جائز اور نیک مناظر حتیٰ کہ عبادات ہی کا نقشہ پیش کیا گیا ہو، اس لئے کہ ہم پیچھے عرض کر چکے ہیں کہ اس میں لہو ولعب کا زہر شامل ہے اور یوں بھی عبادات کی نمائش سوائے ہزل و مذاق اور کیا ہو سکتا ہے۔ اگر نیت، نیتِ ہزل و مذاق نہ بھی ہو تو ایہام ہزل سے کون بچا سکتا ہے؟ اس لئے اس کو دیکھنا کسی بھی طرح روا نہیں ہونا چاہیئے۔ خواہ سدّ اللباب ہی ہی۔ فقط واللہ اعلم!

اب میں مولانا مدنی میاں صاحب سے یہی درخواست کروں گا کہ وہ میری معروضات کو بغور مطالعہ فرمائیں، اور اپنے فتویٰ پر نظر ثانی فرمائیں، یا مجھے ہی میری باتوں، اور میری دلیلوں کا جواب دے دیں تاکہ میں بھی آپ کے مسلک کے سمجھنے کی اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کروں۔ وماعلینا الاالبلاغ۔

ایک رائے

جناب ڈاکٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تازہ میثاق دیکھا۔ میں اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ آپ کو ماچھی گوٹھ کے مالۂ وماعلیہ پر ضرور قلم اٹھانا چاہیئے، یہ تاریخ اور تحریک دونوں کا اُن لوگوں پر قرض ہے جو اس کا ایک حصہ تھے، اگر اور کوئی اس کی ہمت نہیں کرتا تو آپ کو ضرور کرنی چاہیئے۔

والسّلام

مخلص

(ڈاکٹر) محمد امین (پی ایچ ڈی)

فیروزپور روڈ —— لاہور

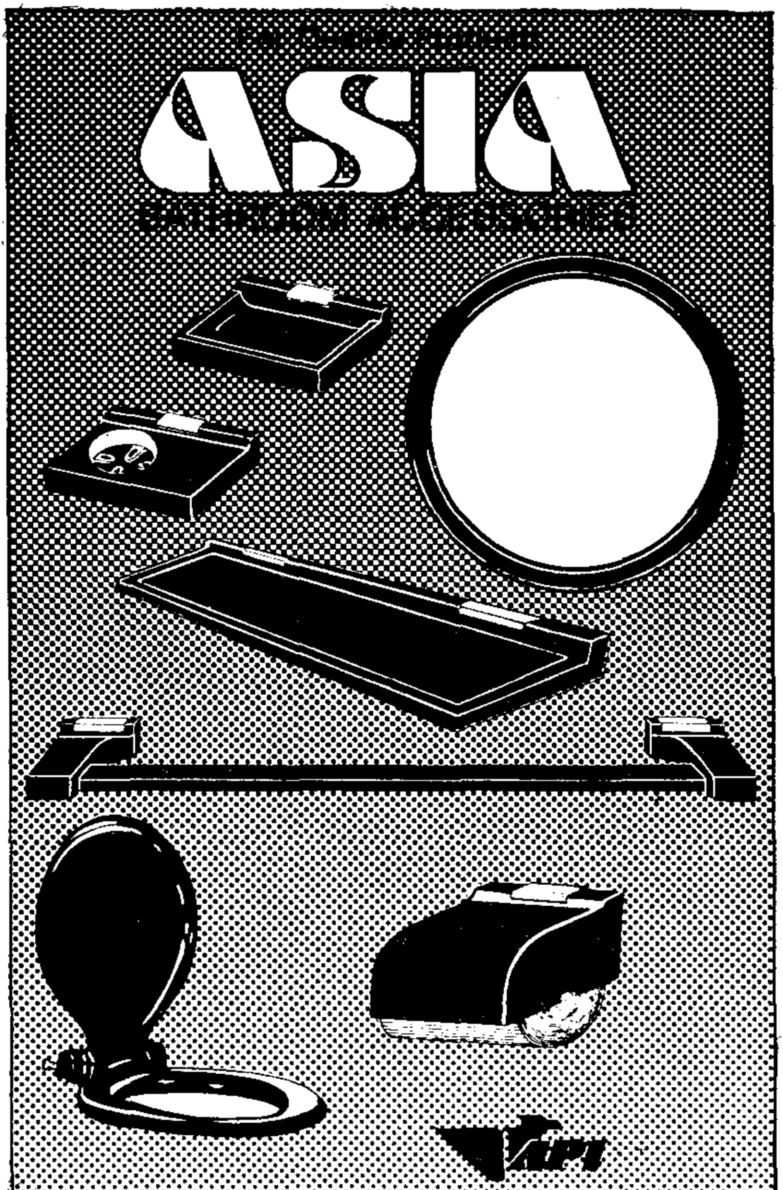
ASIA
API
ASIA PLASTIC INDUSTRIES LAHORE

معدے کی تیزابیت ، بدہضمی اور بھوک کی کمی کے لیے
لیکوڈ
گیسٹوفل
معدے کی تکالیف میں آرام کے لیے
گیسٹوفل ہمیشہ گھر میں رکھیے
Gesto fill
قرشی
تحقیق کی روایت ۔ معیار کی ضمانت

QD – 6

بہار، رنگا رنگ پھولوں، شاداب چہروں اور بیدار آنکھوں کا موسم
پھر بھی کچھ چہرے بے آب اور کچھ آنکھیں بے رونق کیوں؟

موسم بہار میں چہار سُو نئی کونپلیں اور تازہ پھول کھل اٹھتے ہیں اور روئے زمین پر زندگی انگڑائی لے کر جاگ اٹھتی ہے۔

اس موسم بیدار میں صحت بخش خون چہروں پر حُسن بن کر چھلک اٹھتا ہے اور آنکھوں میں ایک نئی چمک پیدا کر دیتا ہے۔

لیکن اگر خون میں فاسد مادے سرایت کر جائیں تو پھوڑے پھنسیوں، مہاسوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جس سے چہرے بے آب اور آنکھیں بے شباب نظر آتی ہیں۔

بہار کے موسم میں صافی کا باقاعدہ استعمال فاسد مادوں کو خارج کر کے خون کو صاف اور صحت بخش رکھتا ہے اور یہی صاف خون چہروں پر حُسن بن کر چھلک اٹھتا ہے

آدابِ اخلاق
اگر تمہارا ظاہر و باطن یکساں ہے تو تم قابلِ قدر انسان ہو

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ
صافی سے خون صاف، چہرہ شاداب

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Adarts HSF-1/86

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صُوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صُوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صُوفی سوپ ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷ - ۵۴۵۲۳

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) **لمیٹڈ**
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۲- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۲۲۱۵۹۸-۳۱۲۷۵۴

SV ADVERTISING

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

اور سب مل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو

Seiko
BRAKE + CLUTCH LINING

میسی فرگوسن ٹریکٹر کے ہر ماڈل پرزہ جات کے ہول سیل ڈیلر

S
SEIKO

سٹاکسٹ: طارق آٹوز ۱۳۔ نظام آرٹ مارکیٹ بادامی باغ لاہور۔ فون: ۲۰۰۹۶۰

ہر قسم کے بال بیرنگز کے مرکز

سندھ بیرنگ ایجنسی ۶۵۰۔ منظور اسکوائر پلازہ کوارٹرز۔ کراچی۔ فون: ۷۲۳۳۵۸ ۷۲۱۱۷۲

خالد ٹریڈرز۔ بالمقابل کے۔ ایم۔ سی ورکشاپ۔ نشتر روڈ۔ کراچی

فون: ۷۳۵۸۸۳ — ۷۳۲۹۵۲ — ۷۳۰۵۹۵

ایک مسنون دُعا

اَللّٰھُمَّ طَہِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ
وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّیَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْکَذِبِ
وَاَعْیُنَنَا مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ
الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ۔

ترجمہ

اے اللہ ہمارے دِلوں کو نفاق سے پاک کر دے اور ہمارے اعمال کو ریا سے اور ہماری زبانوں کو جھوٹ سے اور ہماری آنکھوں کو خیانت سے تجھ پر روشن ہیں آنکھوں کی چوریاں بھی اور دل جو کچھ چھپائے رکھتے ہیں۔

* * *

عطیہ اشتہار

میاں عبدُ الواحِدُ
جگوان سٹریٹ، پرانی انارکلی، لاہور

Jawad®
Products

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,

IV/C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 37 No. 3
MARCH 1988

تنظیمِ اسلامی

نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ

بلکہ ایک

اسلامی انقلابی جماعت ہے

جو سب سے پہلے پاکستان میں اور بالآخر ساری دنیا میں
اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم اور غالب کرنا چاہتی ہے